ہفت روزہ

خدام الدین

لاہور

شہدائے اسلام کو سلام

جنھوں نے

اپنے خون سے

گلشنِ اسلام کی

آبیاری کی

جو صورتِ آتشِ تیغ زنی بن کے آئے
قضا کی نذر ا/۷/ا ہو گئے

بجا ہے شہیدِ ناز کی جان جائیے
قربان جانے والے کے قربان جائیے

بنا کردند خوش رسمے بخون و خاک غلطیدن
خدا رحمت کند این عاشقان پاک طینت را

جیل کی سلاخوں سے!

جانشینِ شیخ التفسیر حضرت مولانا عبیداللہ انور دامت برکاتہم نے کوٹ لکھپت جیل سے احباب اور جماعتی کارکنوں کے نام ایک خصوصی پیغام میں انہیں تلقین کی ہے کہ ملک میں جمہوری اقدار کی بحالی اور شریعت اسلامیہ کے نفاذ کے لئے قومی اتحاد کی تحریک میں پورے جوش و خروش کے ساتھ شریک ہوں۔

آپ نے کہا ظلم و جبر کا مقابلہ کرنا جہاد ہے اور ہر مسلمان کو اس جہاد میں بھرپور حصّہ لینا چاہیئے۔

آپ نے ملک بھر کے علماء سے صبح کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھنے کی بھی اپیل کی ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بانی
حضرت مولانا احمد علی
***
رئیس الادارہ
مولانا عبید اللہ انور

ہفت روزہ
خدّام الدّین
لاہور

رئیس التحریر
مولانا مفتی محمود
***
مدیر
محمد سعید الرحمٰن علوی

جلد ۲۲ — شمارہ ۴۷ | ۲۵ ربیع الاول ۱۳۹۷ھ ● ۱۵ اپریل ۱۹۷۷ء | ایک روپیہ فی پرچہ

روم جل رہا تھا — اور — نیرو بنسری بجا رہا تھا!

پاکستان جل رہا ہے — اور ...... خوابِ خرگوش کے مزے لے رہا ہے!

- نظامِ مصطفیٰ کے لیے جن آنکھوں کے چراغ گُل ہوئے، جن ماؤں کی گودوں سے ان کے جگر کے ٹکڑے چھین لیے گئے — اُن عظیم ماؤں کو بشارت دے دو کہ ان کے بچے آغوشِ محمدی میں پل رہے ہیں
- جس عظیم نظامِ حیات کے لیے یہ لہو بہہ رہا ہے۔
- جس مقصدِ عظیم کے حصول کے لیے وطن کی شاہراہیں لالہ زار بن رہی ہیں۔

مجھے —

ربِّ ذوالجلال کی قسم!

وہ نظام آ کر رہے گا —

اور ظالم اپنے ظلم سمیت تباہ ہو کر رہے گا

اجمل نادری
۱۰ اپریل ۷۷ء

چیف الیکشن کمشنر!

ناطقہ سر بگریباں ہے اسے کیا کہیئے؟

پاکستان کے چیف الیکشن کمشنر مسٹر سجاد احمد جان پاکستان کی سب سے بڑی عدالت میں عمر کا معقول حصہ گزارنے کے بعد آج کل اس اہم اور ذمہ دارانہ منصب پر فائز ہیں جس کا کام انتخابات جیسے بنیادی فرض کو پایۂ تکمیل تک پہنچانا اور اس کے متعلق تمام انتظامات کی نگرانی کرنا ہے۔

موجودہ الیکشن کے بعد جہاں مسٹر بھٹو کی ذات اور ان کا کردار و طرز عمل بڑی شدت سے زیر بحث آیا۔ وہاں چیف الیکشن کمشنر صاحب کا معاملہ ان سے کہیں زیادہ شدت سے موضوع سخن بنا۔

جہاں تک مسٹر بھٹو کا تعلق ہے انہوں نے جو کچھ کیا اپنی سرشت کے مطابق کیا۔ یقین کریں کہ ہمیں ان سے جو توقع تھی وہ یہی تھی۔ ذاتی اقتدار کی غرض سے ملک کے ایک حصہ کی قربانی دینے والے شخص سے اس کے علاوہ کسی دوسری چیز کی توقع کرنا ہی عبث تھا۔

لیکن جہاں تک مسٹر جان کا تعلق ہے ان کے الیکشن سے پہلے کے لمبے چوڑے اعلانات کے پس منظر میں جب دیکھا جاتا ہے تو انتہائی رنج ہوتا ہے اور بہت کچھ تسلیم کر لینے کے بعد بھی ابھی تک ان کا استعفیٰ نہ دینا ایک المیہ سے کم نہیں۔

ہمیں یاد ہے کہ چیف الیکشن کمشنر صاحب نے بڑے طمطراق سے اعلان کیا تھا کہ ہمارے انتظامات ہر طرح مکمل ہیں اور یہ کہ الیکشن بالکل آزادانہ اور منصفانہ ہوں گے۔ نیز انہوں نے یہ بھی فرمایا تھا کہ عہدہ و منصب کی ذمہ داریوں کے متعلق مجھے اللہ تعالیٰ اور عوام کی عدالت میں جوابدہی کا احساس ہے۔

لیکن الیکشن کا ڈرامہ پورا ہونے کے بعد جب عوام کی عدالت نے ان کے خلاف فیصلہ دے دیا اور ان سے عرض کیا (بلکہ مسلسل عرض کر رہی ہے) کہ جناب آپ نے قوم کی امنگوں اور آرزوؤں کو پامال کیا ہے لہٰذا آپ یہ مقام چھوڑ دیں اور عمر کے آخری حصہ میں یاد اللہ کریں۔ تو انہوں نے عوام کی عدالت کا فیصلہ تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اس وقت ہمارے سامنے الیکشن کا ڈرامہ ختم ہونے کے بعد سے آج تک اخبارات کی زینت بننے والے موصوف کے بیانات اور پریس کانفرنسوں کا طومار ہے ہمیں سمجھ نہیں آتا کہ ہم آنجناب کے کس کس بیان پر تبصرہ کریں اور کیسے؟

موصوف ایک ہی زبان میں بہت کچھ کہہ دیتے ہیں لیکن پرنالہ وہیں کا وہیں رہتا ہے۔

آپ نے اپنے متعدد بیانات میں دھاندلیوں بلکہ سنگین دھاندلیوں کا اعتراف کیا ہے۔ پی این اے کے امیدواروں کی طرف سے کسی درخواست کے بغیر متعدد حلقہ ہائے انتخاب کا ریکارڈ وہ از خود طلب کر چکے ہیں۔ تحقیقات کا دھندہ جاری ہے۔ ایک سابق وفاقی وزیر حفیظ اللہ چیمہ کا پیٹرا کیا جا چکا ہے اس کے بعد بھی موصوف ہیں کہ کبھی مخصوص ثبوت طلب کرتے ہیں۔ کبھی یہ فرماتے ہیں کہ میرے استعفیٰ سے کسی کو فائدہ نہ ہوگا، کبھی کہتے ہیں کہ میں رخصت پر نہیں جاؤں گا بلکہ کام کروں گا لیکن اتنا جتنا میری صحت نے اجازت دی۔

ہم یہ محسوس کرتے ہیں کہ لاڑکانہ کے حلقۂ انتخاب سمیت بعض دوسرے حلقوں میں بلا مقابلہ کامیابی سے "آزادانہ اور منصفانہ" انتخاب کی جو ابتدا ہوئی تھی، اس کے بعد فی الفور آنجناب کو یہ کرسی چھوڑ دینی چاہیے تھی اور قوم کو صاف صاف کہہ دینا چاہیے تھا کہ یہ پتھر بھاری ہے اور اس کا اٹھانا میرے بس میں نہیں۔ لیکن متعدد حلقوں میں بلا مقابلہ کامیابی کا ڈھونگ رچایا گیا، الیکشن مہم کے دوران مخالف امیدواروں اور ان کے حامیوں پر ظلم توڑے گئے۔ عین الیکشن کے دن وزراء اور

(باقی ۳۱ پر)

حضرت الامام لاہوری قدس سرہ کے خلفاء میں حضرت مولانا مفتی بشیر احمد پسروری علیہ الرحمہ کو ایک امتیازی مقام حاصل تھا۔ آپ کا ایک مضمون "اسلام میں آزادیٔ رائے کا تصور" ہمیں پرانے کاغذات میں اچانک مل گیا شاید کہ آج کے دور میں یہ قدرت کا عطیہ ہے اور اہلِ پاکستان کے لیے بالخصوص نادر تحفہ! (ادارہ)

اسلام میں آزادیٔ رائے کا تصور

از جامع شریعت و طریقت حضرت مولانا مفتی بشیر احمد صاحب رحمۃ اللہ علیہ تعالٰی خطیب مسجد جامع پسرور

افراط و تفریط کے اس دور میں "آزادی رائے" کا کبھی کوئی معیار نہیں رہا۔ کہیں "سوشلزم" کی تلوار سے ہر شخص کو حیوان محض بنا دیا گیا ہے اور کہیں جمہوریت کے نام پر "مادر پدر آزاد" معاشرے کو تشکیل دیا جا رہا ہے اور جہاں کہیں ان کے بین بین راستہ اختیار کیا گیا ہے وہ بھی کچھ اس سے مختلف نہیں۔ حتیٰ کہ اس "زہر ہلاہل" کے مسموم اثرات سے پاکستان ایسی عظیم اسلامی مملکت بھی محفوظ نہیں رہ سکی اور اس میں بھی "عصمتِ انبیاء" پر اعتراض، صحابہ پر تنقید، فقہ اسلامی پر جرح اور اسلامی اقدار کا تمسخر اڑانے کو ترقی، جدید تحقیق، وقت کا تقاضا اور نئی روشنی جیسے عنوانات کے ذریعہ آزادیٔ رائے کے اظہار کا بلند مقام سمجھا جا رہا ہے۔ اور انہی اسلامی بنیادوں کے خلاف دفاع کرنا یا باطل کے خلاف کچھ کہنا اور خود ساختہ قانون کی خامیوں کی نشان دہی کرنا نہ صرف لاقانونیت شمار کیا جاتا ہے۔ بلکہ ایک سنگین جرم قرار دے کر ایسے حق گو رجال کی آوازوں کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دبا دیا جاتا ہے۔

"اظہارِ خیال" سے متعلق یہ دو رنگی اور متضاد طرزِ عمل دراصل ہمارا اپنا ہی پیدا کردہ ہے۔ ہم نے اسلامی تعلیمات سے روگردانی کر کے دیگر راستوں سے فلاح کا راستہ ڈھونڈنے کی کوشش کی مگر اسلامی تعلیمات سے ناآشنا ہونے کی وجہ سے اپنے گوہر ہائے گرانمایہ سے استفادہ نہ کر سکے۔

اسلام نے انسان کے ضمیر کو جو اعلیٰ و ارفع مقام بخشا ہے اور اظہارِ خیال یا آزادیٔ رائے کا جو عملی نمونہ پیش کیا ہے وہ قابلِ دید بھی ہے اور لازم العمل بھی۔ ذیل میں چند واقعات سے اس کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔

محبوس قوم کی عرض داشت

فتح مکہ کے بعد جب مسلم افواج نے "قوم ہوازن" پر غلبہ حاصل کیا تو اس میں پانچ ہزار مرد و عورت غلام اور لونڈیوں کی شکل میں گرفتار ہوئے اور تقریباً چالیس ہزار حیوانات مالِ غنیمت میں ہاتھ آئے۔ اس تمام مالِ غنیمت کو فوج میں تقسیم کر دیا گیا۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باعظمت فتح کے بعد واپس روانہ ہوئے تو مقام "جعرانہ" میں قوم ہوازن کا ایک وفد دربارِ رسالت میں حاضر ہوا۔ شکست خوردہ قوم کے ترجمان نے عرض کیا۔

"یا رسول اللہ ہم آپ کی رضاعی اماں مائی حلیمہ سعدیہ کی قوم سے ہیں۔ اس رضاعی رشتہ کی بنا پر گرفتار شدہ مرد و زن، آپ کے چچا ماموں، خالائیں اور پھپھیاں ہوں گی۔ آپ اس رضاعی رشتہ کو مدِ نظر رکھتے ہوئے ہم پر احسان

تعلیم فرمائیں اور ان کو آزاد فرما دیں"۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہیں اپنے مال و اسباب اور اولاد و اقارب میں سے کونسی چیز زیادہ پیاری ہے۔ ترجمان نے کہا ہمیں مال و اسباب یا سامانِ جنگ کی ضرورت نہیں۔ ہمیں اپنے خویش و اقربا، عورتوں اور جوانوں کی ضرورت ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جوان اور عورتیں فوج میں تقسیم ہو چکی ہیں ان میں جو عبدالمطلب کی اولاد کا حصہ ہے وہ تو واپس کر دیا جائے گا۔ لیکن جو دوسرے افراد میں تقسیم کئے جا چکے ہیں میں ان کو از خود واپس نہیں کر سکتا۔ ہاں تمہارے اس رشتۂ رضاعت کی بنا پر ایک طریقہ بتلاتا ہوں۔ اس پر عمل کرنے سے شاید تمہیں اپنے عزیز و اقربا مل جائیں۔ تم ظہر کی نماز کے وقت نماز کے بعد مسلمان افواج سے اس طرح خطاب کرو۔

"اے مسلمانوں ہم رسول اللہ کے رضاعی تعلق کو وسیلہ بنا کر آپ سے رحم و کرم کی درخواست کرتے ہیں۔ اور یا رسول اللہ ہم مسلمانوں کے اخلاقِ کریمانہ کو واسطہ بنا کر آپ سے درخواست کرتے ہیں کہ ہمیں ہماری بیویاں اور اولاد و اقربا واپس کر دی جائیں"۔

حسب ہدایت قوم ھوازن کے قائد نے اسی طرح پر نماز ظہر کے بعد حاضرین سے اپیل کی۔

ان کی درخواست پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی مجلس میں اپنا اور آلِ عبدالمطلب کا حصہ آزاد کر دیا۔ آپ کی متابعت میں مہاجرین و انصار صحابہ نے بھی اپنے حصہ کے غلام اور لونڈیاں آزاد کر دیئے۔

صحابہ کا آزادانہ اظہارِ رائے

حاضرین سے حضرت عیینہ بن حصن رضؓ نے کہا کہ میں اور بنو فزارہ اپنے حصہ کے غلام اور لونڈیاں واپس نہیں کریں گے عباس بن مرداس رضؓ اسلمی نے کہا میں بھی اپنے حصہ کے غلام آزاد نہیں کروں گا۔ آپ کے بعد اقرع بن حابس رضؓ کھڑے ہوئے اور اعلان کیا کہ میں اور بنو تمیم بھی اپنے حصہ کے غلام نہیں لوٹائیں گے۔ یہ سن کر خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے خفگی کا اظہار فرمایا اور نہ ہی کسی طرح کی وعید فرمائی، بلکہ از راہِ شفقت فرمایا کہ اگر تم ان کو آزاد کر دو تو آئندہ فتوحات میں تمہیں ایک ایک کے عوض چھ چھ غلام دیئے جائیں گے۔ یہ خوش خبری سن کر ان تمام صحابہ نے بھی اپنے غلام اور لونڈیاں آزاد کر دیئے۔ اسد الغابہ ج ب ص ۲۰۵

آزادیٔ رائے کا دوسرا واقعہ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں۔ جنگ احزاب کے موقع پر قریش کا سفیر حارث غطفانی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کی کہ ہمیں مدینہ عالیہ کی کھجوریں عنایت فرما دیجئے جو قیمت آپ فرمائیں گے ادا کر دی جائے گی۔ آپ صلعم نے فرمایا میں اپنے رفقاء سے مشورہ کروں گا۔ تم کل آنا۔ فیصلہ سے مطلع کر دیا جائے گا۔ اس کی روانگی کے بعد آپ نے سعد بن معاذ رضؓ، سعد بن عبادہ رضؓ، سعد بن مسعود رضؓ، سعد بن خیثمہ رضؓ کو بلایا اور ان سے حارث غطفانی کی آمد اور اس کا مقصد ذکر فرمایا۔ اس میں تمہاری کیا رائے ہے۔ چاروں صحابہ نے عرض کیا :-

۱۔ اگر ان کی فروخت کا حکم من جانب اللہ ہے تو ہم بدل و جان راضی ہیں۔

۲۔ اگر یہ جناب کی منشا ہے تو ہم سر تسلیم خم ہیں۔

۳۔ اور اگر یہ مشورہ صرف اس لیے ہے کہ ہم اپنی عقل و بصیرت کے مطابق کچھ عرض کریں تو خدا کی قسم ہم ایک کھجور بھی حارث غطفانی کو دینے کے لیے تیار نہیں۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری رائے یہی ہے تو ایسے ہی ہوگا۔ چنانچہ آپ نے حارث غطفانی سے یہ فیصلہ ذکر کر دیا۔ اسد الغابہ ج ب ص ۲۹۲

آزادیٔ رائے کا تیسرا واقعہ

ہجرت کے بعد مدینہ عالیہ پہنچنے پر مہاجرین کو کڑوے پانی کے استعمال سے سخت تکلیف سے دوچار ہونا پڑا۔ قبیلہ بنو غفار کے پاس میٹھے پانی کا ایک چشمہ تھا، لیکن اس کا مالک ایک مشکیزہ ایک سیر غلہ کے عوض دیتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے چشمہ کے مالک کو بلا کر فرمایا

کہ اگر تو یہ چشمہ مسلمانوں کے لیے وقف کر دے تو اس کے بدلے تجھے جنت میں بہترین چشمہ عطا کیا جائے گا۔

اس نے کہا یا رسول اللہ میں اہل و عیال والا ہوں، اور میرے گزر اوقات کے لیے صرف یہی ایک چشمہ ہے حضور صلی اللہ علیہ یہ سن کر خاموش رہے اور کسی طرح بھی اصرار نہ کیا۔

اس واقعہ کی خبر حضرت امیر عثمان ذوالنورین رضؓ کو ہوئی تو انہوں نے ۳۵ ہزار روپے کے زر کثیر سے وہ کنواں مالک سے خرید کر لیا اور حضور اکرم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ عرض کیا حضرت چشمہ کو وقف کرنے کا جو عوض آپ نے بنو غفار کے ایک شخص کے لیے فرمایا تھا۔ کیا مجھے بھی وہی عوض مل سکتا ہے۔ آپ نے فرمایا ہاں اگر تم ایسے کر دو تو تمہیں بھی ویسا ہی اجر دیا جائے گا۔

حضرت عثمان نے عرض کیا کہ حضرت لیجیے۔ پھر وہ کنواں آج سے میری طرف سے مسلمانوں کیلئے وقف ہے۔ (اسد الغابہ ج ۲ صفحہ ۱۹۰)

غلام کی رائے کا احترام

صحابہ کرام نے جب غلاموں کو آزاد کرنے کی فضیلت اور منقبت سنی تو اپنے بہت سے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ ان آزاد ہونے والوں میں حضرت بریدہ بھی تھیں جو ایک غلام حضرت مغیث کے نکاح میں تھیں۔ بریدہ کے آزاد ہونے کے بعد مغیث کو اپنے نکاح کے فسخ ہونے کی فکر دامن گیر ہوئی کیونکہ مغیث بریدہ سے والہانہ محبت رکھتا تھا۔ اور اب بریدہ قانون کے مطابق اپنے نکاح کو فسخ کرنے کا حق رکھتی تھی۔ چنانچہ مغیث نے انتہائی گریہ و زاری سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے جذبات کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا کہ آپ بریدہ سے فرمائیں کہ وہ مجھ سے علیحدہ نہ ہو۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مغیث کی حالتِ زار کو دیکھتے ہوئے بریدہ کو بلایا اور فرمایا کہ بریدہ مغیث کو تیری جدائی کا بے حد صدمہ ہے اور وہ اسی فکر میں دن رات روتا رہتا ہے۔ اس لیے کیا تو اس کے نکاح کو باقی نہیں رکھے گی۔ بریدہ نے عرض کیا حضرتؐ یہ آپ کا حکم ہے یا مشورہ۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حکم تو نہیں مشورہ ہے۔ بریدہ نے عرض کیا اگر یہ جناب کا حکم ہوتا تو مجھے قطعاً انکار کی گنجائش نہ تھی۔ لیکن اگر یہ مشورہ ہے تو پھر میں مغیث کے نکاح میں رہنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ (بخاری مسلم)

خلاف ضابطہ رائے

ایک شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ عرض کیا کہ حضرت مجھے زنا کرنے کی اجازت دی جائے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے سن کر فرمایا کہ کیا تیری بہن، خالہ، پھوپھی ہیں۔ سائل نے کہا جی ہاں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا تو پسند کرتا ہے کہ کوئی شخص ان سے زنا کرے یا غلط نظر اٹھا کر دیکھے۔ وہ شخص کہنے لگا قطعاً نہیں۔ میں ہرگز برداشت نہیں کر سکتا۔ حضور نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے زنا کو حرام قرار دیا ہے اس لیے تو اس کے قریب بھی نہ جا۔ وہ شخص تائب ہوا اور آئندہ کبھی ایسا خیال بھی دل میں نہ لایا (اسد الغابہ)

ایک شخص مسلمان ہوا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پانچ چیزوں کا حکم فرمایا:۔

۱۔ نماز، ۲۔ روزہ، ۳۔ حج، ۴۔ زکوٰۃ، ۵۔ جہاد۔

نو مسلم صحابی نے عرض کیا۔ حضرتؐ میں ان سے چار پر عمل کر سکتا ہوں اور دو پر عمل نہیں کر سکتا یعنی زکوٰۃ اور جہاد۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر زکوٰۃ نہیں دو گے، جہاد نہیں کرو گے تو جنت کیسے حاصل ہو گی۔ صحابی نے عرض کیا اگر یہ بات ہے تو پھر میں دونوں پر ہی عمل کروں گا۔

ان واقعات سے اظہارِ خیال اور آزادی رائے کا جو ضابطہ ہمیں معلوم ہوتا ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی حدود کے اندر رہتے ہوئے ہر شخص کی رائے کا احترام کیا گیا ہے اور قانون کے خلاف اظہارِ خیال کی بہتر انداز میں اصلاح کی گئی ہے۔ اسی مفہوم کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دوسرے مقام پر اس طرح فرمایا ہے:۔

لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوْقٍ فِيْ مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ

یعنی خالق کی نافرمانی میں کسی شخص کی بات قابلِ قبول و لائقِ اعتنا نہیں ۔

مغربی علوم و فنون پر اسلام کا اثر

مولوی فضیل الرحمٰن عثمانی (فاضل دیوبند)

ضروری تو نہیں ہے کہ جو قوم سیاسی اعتبار سے غلام ہو اس کو ذہنی و فکری لحاظ سے بھی غلام کہا جائے۔ لیکن عموماً ہوتا یہی ہے کہ کسی قوم کی مادی مغلوبیت اس کے ذہنی و فکری انحطاط کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے۔

مسلمان آج کل کچھ اسی قسم کے حالات سے دوچار ہیں۔ اگر کہیں سیاسی و مادی اعتبار سے آزاد بھی ہیں تو ذہنی اعتبار سے وہی غلامی ان کے ہر گوشۂ حیات میں کارفرما نظر آتی ہے۔ وہ مغرب کی متعین کردہ راہوں پر چلتے، مغرب کے دماغ سے سوچتے اور مغرب ہی کی آنکھوں سے دیکھتے ہیں۔ اپنی تہذیب، ثقافت، ترقیات کو بھول کر مغرب ہی کو اصل معیار زندگی مان بیٹھے ہیں۔ اسلامی علم و عمل اور قرآنی معیار کو چھوڑ کر مغرب کی تقلید کر رہے ہیں اور غیر شعوری طور پر یہ مفروضہ دل میں جاگزیں ہو چکا ہے کہ جو مغرب کہتا ہے وہی حق اور وہی صحت و درستگی کا اصل معیار ہے لیکن اس حقیقت سے بے خبر ہیں۔ کہ مغرب کی یہ قابلِ رشک ترقی خود مسلمانوں ہی کی مرہونِ منت ہے۔ یہ موجودہ روشنی اسی چراغ کی ہے۔ جو کبھی خود مسلمانوں نے روشن کیا تھا۔

آسمانِ یورپ آفتابِ اسلام کے طلوع ہونے سے پہلے جہالت کی تاریکی میں ڈوبا ہوا تھا اور گویا منتظر تھا کہ اسلام کا درخشاں آفتاب افقِ مشرق سے طلوع ہو اور تمام ظلمت و تاریکی کو نور سے بدل دے، وہاں کی پیاسی زمین اب اس بات کی محتاج تھی کہ اسلام کا ابرِ کرم اٹھے اور اپنے فیض و عطا کی بارش برسائے۔ اہلِ یورپ نے جہاں عربوں کے پاکیزہ تمدن سے بہت کچھ حاصل کیا۔ وہیں انہوں نے ان کے بے پایاں علم و فن سے بھی خوشہ چینی کی اور ان کی موجودہ ترقی کی بنیادیں عربوں ہی کے علوم و فنون پر استوار ہیں۔ چنانچہ ایک مغربی مصنف "گستاؤلی بون ڈاکٹر" اپنی کتاب "تاریخ تمدن" میں لکھتے ہیں :-

"صدیوں تک عربوں نے تمدن کی تاریخ میں مہتم بالشان خدمات انجام دیں وہ نہ صرف ایشیا کے دور دراز ملکوں میں علم کی اشاعت کرتے رہے بلکہ یورپ کو بھی ایسے علوم سکھائے جن سے مغربی اقوام نے بڑا نفع حاصل کیا۔"

اسی سلسلہ میں مسٹر اسٹینلی لین پول کی رائے بھی پیش کرتا ہوں :-

"مختلف علوم و فنون میں جیسی ترقی اسپین کے مسلمانوں نے کی تھی کسی دوسرے ملک یا قوم نے نہیں کی۔ انگلینڈ، فرانس اور جرمنی سے طلبا اس چشمہ سے سیراب ہونے کے لیے آتے تھے جو صرف اسپین کے شہروں میں بہتا تھا۔ اندلس کے طبیب اور جراح تمام دنیا سے آگے تھے۔ علم ریاضی، ہیئت، نباتات، فلسفہ اور فقہ کی تکمیل صرف اسپین میں ہو سکتی تھی۔ زراعت، آبپاشی، قلعہ بندی، جہاز سازی وغیرہ میں بھی وہاں کے مسلمان اعلیٰ درجہ پر تھے۔"

کیا تاریخ بھول سکتی ہے ؟ کہ گھڑی سب سے پہلے "فرینکس" کے شہنشاہ "شارلین" کو ایک مسلمان بادشاہ کی طرف سے ہدیہ بھیجی گئی تھی۔ اس سے ظاہر ہے۔ کہ گھڑی کی ایجاد مسلمانوں سے ہوئی۔ لیکن دسویں صدی میں حالات نے کروٹ لی۔ اور ایک نیا انقلاب رونما ہوا۔ "پاپائے روم" کی ترغیب پر یورپ بیت المقدس کو فتح کرنے کے لیے جنگ میں مصروف ہو گیا اس جنگ کے دوران اہلِ یورپ نے عربوں کے اخلاق اور تمدن کا بغور اور قریب سے مطالعہ کیا اور پہلی بار انہیں مختلف

شعبہ ہائے حیات میں عربوں کی برتری کا اندازہ ہوا۔ چنانچہ یہیں سے یورپ کے علمی و فکری انقلاب کا آغاز ہوتا ہے۔ قرونِ وسطیٰ میں یورپ نہ صرف علمی و فنی حیثیت سے تہی دامن تھا بلکہ مذہبی لحاظ سے بھی پوری طرح دیوالیہ ہو چکا تھا۔ مذہبی رہنماؤں کے ہاتھوں دین عیسوی کی صالح قدریں مسخ ہو چکی تھیں۔ "پاپائے روم" غیر محدود اختیارات کا مالک ہوا کرتا تھا اس نے ان اختیارات سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ایک کثیر رقم کے عوض "معافی نامہ" کی تقسیم کا طریقہ رائج کیا۔ معافی نامہ دوزخ سے نجات اور جنت میں داخلہ کا ایک پروانہ یا سرٹیفکیٹ تھا۔ لیکن اہل یورپ نے جب "اسلامی تعلیمات" اور "قرآن مجید" کی خوبیوں کا مطالعہ کیا تو وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔ پاپائے روم کے جابرانہ اختیارات ان کے لیے باعثِ نفرت بن گئے۔ آخرکار کافی جدوجہد کے بعد یہ لوگ ایک آزاد مذہبی فرقہ قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ جہاں تک میرے علم میں ہے سب سے پہلے اس مذہبی انقلاب کا تصور لوتھر (پروٹسٹنٹ فرقہ کا بانی) اور "کالون" (جنیوا کا مشہور خطیب کالوزم کا بانی) کے ذہن میں پیدا ہوا۔ "لوتھر" نے اطالوی درسگاہوں میں جہاں عربی فلسفہ کا درس دیا جایا کرتا تھا۔ تعلیم پائی تھی اور اسے قرطبہ و غرناطہ کے علمی حلقوں سے بھی استفادہ کی نوبت آئی جو اس زمانہ میں عربی فلسفہ کی تعلیم کے مرکز تھے۔ بہرحال لوتھر اور کالون کا یہ ذہنی انقلاب اسلامی تعلیمات ہی کا مرہونِ منت تھا۔

علوم و فنون

عربوں کے تمدن سے اہل یورپ کے مذہبی تصورات ہی میں ایک خوشگوار انقلاب نہیں پیدا ہوا بلکہ ان کے تعلیمی اور فنی ڈھانچے میں بھی ایک قابل فخر تبدیلی رونما ہوئی۔ تاریخ گواہ ہے کہ جب روم و یونان کی شاندار ترقی معدوم ہو چکی تھی ان کی علمی تصنیفات اور فنی کاوشیں افسانہ بن چکی تھیں تو دوبارہ عربوں ہی نے انہیں حیاتِ نو بخشی۔ کنگسن کالج لندن کے عربی کے پروفیسر مسٹر ایچ اے سلیمن سی آئی ایم "سلطنت عرب کا عروج و زوال" میں لکھتے ہیں:-

"اس مادہ میں نئی روح پھونکنے کا فخر صرف عربوں کو حاصل ہے۔ یہ عرب ہی تھے جنہوں نے گم شدہ یونانی مصنفین کو دنیا سے روشناس کرایا۔ اہل عرب نے علم کی وہ شمع روشن کی جس نے تاریخ کے سیاہ صفحات کو چمکا دیا اور یقیناً اگر عرب نہ ہوتے تو یورپ کی تاریخ اتنی شاندار نہ ہوتی۔"

مشاہدہ ہے کہ قوموں کی علمی ترقی کی ابتدا تصنیفات کے بجائے عموماً تراجم و تالیفات سے ہوتی ہے۔ عربوں نے اس میں بھی گہری دلچسپی لی اور ترجموں کی بدولت سنسکرت اور یونانی مصنفین کو زندہ جاوید بنا دیا۔

"پکھتال" لکھتا ہے:-

"خلیفہ المامون کے دور میں روم و یونان کے تاریخی تراجم زیادہ تر ہوئے۔ جن کی اصل قسطنطنیہ سے قبضہ کر کے بغداد لائی گئی۔"

الجبرا

چنانچہ جہاں انہوں نے "یونانی فلسفہ" کو ترقی دی وہاں الجبرے میں بھی کسی سے پیچھے نہیں رہے۔ مغربی مصنفین نے اس کا اعتراف کیا ہے کہ:-

"الخوارزمی کی تصنیفات نے اہل یورپ کے لیے الجبرے کے نکات حل کرنے میں رہبر کا کام دیا ہے۔" (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۱۶ صفحہ ۵۹۶)

"پکھتال" لکھتا ہے "الجبرا مسلمانوں کی ایجاد ہے"۔ موجودہ علم کیمیا "ابوموسیٰ جعفر کوفی" کی وسیع تحقیقات کا نتیجہ ہے۔

ہیئت

علم الجبرا، ریاضی اور کیمیا کی طرح ہیئت بھی عربوں کا زیر بار احسان ہے۔ اس سلسلہ میں احمد بن محمد، حسن ابن حسین اور محمد بن ویسی کے نام خاص طور پر لیے جاتے ہیں۔ علم ہیئت عرب اپنے ساتھ اسپین سے لائے اور ۱۰۸۰ء میں "ابواسحاق زرقانی" نے اس میں کچھ جدول و اشکال اختراع کیں۔

(انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد ۲ ص ۸۱۱ مطبوعہ ۱۹۱۱ء)

خوردبین کا موجد عموماً "گلیلیو" کو سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کا موجد ابوالحسن تھا۔

کلام یورپ میں ایک عام خیال ہے کہ علمِ کلام کا موجد لارڈ بیکن ہے۔ چنانچہ "ہسٹری آف دی انگلش" میں ٹامسن نے بھی لارڈ بیکن ہی کو علمِ کلام کا موجد قرار دیا ہے۔ امرِ واقعہ یہ ہے کہ علمِ کلام کی بنیاد امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے ڈالی ہے اور یہ بات یقین کی حد تک اس لیے کہی جا سکتی ہے کہ امام غزالیؒ کی وفات کا زمانہ بیکن کی پیدائش سے تقریباً سو برس پہلے ہے بہت ممکن ہے کہ لارڈ بیکن نے اولاً اس علم کو امام غزالیؒ سے لیا ہو اور بعد میں اسی کو موجد سمجھ لیا گیا ہو چونکہ بیکن اسپینی زبان جانتا تھا اور امام غزالیؒ کی تصنیفات اس وقت تک اسپینی میں منتقل ہو چکی تھیں۔

تاریخ ابتداءً تاریخ صرف واقعات کی افسانوی نوعیت کا نام تھا اس کے اسباب و علل موضوعِ بحث نہ تھے۔ عرصہ تک "تاریخ اس صورت میں باقی رہی۔ عربوں نے اس کو ایک فن کی حیثیت دی اور واقعات کے اسباب و علل سے بحث کرنے لگے "المقریزی" کی تصانیف میں فنِ تاریخ کے نقوش نظر آتے ہیں۔ عرب مؤرخین کی ہی کوششیں اہلِ یورپ کے لیے چراغِ راہ بنیں —— علمِ سیاسیات کی بنیاد عرب مؤرخین کے ان ہی خیالات پر رکھی گئی ہے۔ دنیا کا مشہور ترین مؤرخ ابن خلدون اس کا امام ہے جس کی تصانیف سے اہلِ یورپ نے بہت کچھ خوشہ چینی کی ہے۔

جغرافیہ تجارت نے عرب سیاحوں میں "جغرافیہ نویسی" کا شوق پیدا کیا اور وہ اپنے سفر کے واقعات قلمبند کرنے لگے۔ یہ واقعات اگرچہ ذاتی حیثیت رکھتے ہیں مگر ان کی دوسری نوعیت جغرافیائی ہے۔ یہ کہئے کہ یہ سفرنامے ہی علمِ جغرافیہ کی بنیاد بنے، مثال کے طور پر ابن بطوطہ کا سفرنامہ بہت سے شہروں اور ملکوں کا جغرافیہ ہے اور اس کے پڑھنے سے ہم متعدد مقامات کی جغرافیائی پوزیشن جان سکتے ہیں۔

عربوں کے قدم اندلس پہنچے تو یہ خطہ مردم خیزی کا سبزہ زار بن گیا۔ ادریسی یہیں کا رہنے والا تھا۔ جس کا جغرافیہ فنی اعتبار سے بڑی اہمیت رکھتا ہے۔ اہلِ یورپ ایک زمانہ تک ادریسی کے جغرافیہ سے فائدہ اٹھاتے رہے ہیں۔ ادریسی نے ۱۱۵۴ء میں جغرافیہ لکھا۔ ادریسی کا جغرافیہ تقلیدی نہیں تحقیقی تھا۔ علاوہ تحقیق و انکشاف کے بہت سے نقشے بھی تفصیل کے ساتھ درج کئے جس نے ادریسی کے جغرافیہ کی اہمیت کو بہت زیادہ بڑھا دیا ہے۔

"پکھتال" عربوں کی جغرافیہ دانی کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"عرب اپنے دور کے عظیم ترین سیاح، تاجر اور بحر پیما سرگزشت سفر لکھنے کے عادی تھے۔ جس جگہ سفر کرتے تھے وہاں کا نقشہ تیار کرتے تھے۔ نیز اس خطہ کے سیاسی، سماجی اور کاروباری حالات لکھتے تھے اور اسکولوں کی تعلیم اسی انداز سے ہوتی تھی۔"

علمِ طب و جراحت فنِ طب کو عربوں نے آسمانِ ترقی پر پہنچا دیا تھا۔ بوعلی سینا اور ابوبکر رازی فنِ طب کے امام سمجھے جاتے ہیں اور اس فن میں ان کی تصانیف آج بھی دنیا کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتی ہیں۔

"ابقاسیس" فنِ جراحت کے امام تھے اس مایہ ناز سرجن نے بہت سے آلاتِ جراحی ایجاد کئے فنِ جراحت پر اس کی مبسوط تصنیف آج بھی اس کے کمال کا بیّن ثبوت ہے۔ ابن رشد کو تو کون بھول سکتا ہے جس نے اس فن میں اپنا جوہر کمال دکھلایا۔

آپریشن سے پہلے سُن کرنے کی دوا عربوں کی ایجاد ہے زخم کو ریشمی ٹانکوں سے سینے کا رواج عربوں نے دیا۔ موتیابند، پتھری اور فتق جیسے امراض کا علاج آج سے بہت پہلے عرب اطباء دریافت کر چکے تھے۔

مسلمانوں نے ایسے شفاخانے قائم کیے جس میں امراض کے اعتبار سے طبقہ وار مریضوں کو رکھا جاتا تھا۔ اور صفائی ستھرائی کا مکمل انتظام ہوتا تھا۔

(اسلام کا ثقافتی پہلو (از پکھتال صہ۱۷)

یہ چند عبرت آموز تاریخی حقائق اس ملتِ خوابیدہ کو

(باقی ۲۰ پر)

حضرت ذوالقرنین علیہ السلام

تحریر: ــــــــ محمد احمد برانق ڈائرکٹر جنرل وزارت تعلیم و تربیت (مصر)
ترجمہ: ــــــــ عبدالصمد صارم الازہری پروفیسر اورنٹیل کالج لاہور



۱۔ اس کے دو سینگ نہ تھے۔ بلکہ یہ نام اس کی قوم کی طرف سے دیا ہوا ایک خطاب تھا۔ جو اس کی عالی ہمتی پر ایک دل پسند نغمہ تھا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

وہ ایک غلام قوم میں پیدا ہوا جس کی آزادی پر ایک قریبی پڑوسی قوم نے اپنی سلطنت و طاقت کے بل بوتے پر ڈاکہ ڈال کر اسے سلب کر لیا تھا ۔ ۔ ۔ ۔ اس غریب و مظلوم قوم میں اتنی بھی طاقت نہ رہی تھی کہ وہ اپنی مدافعت میں کچھ ہاتھ پاؤں ہلا سکے یا اس آزادی کا خواب شرمندہ تعبیر ہو سکے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

ہمارا یہ ہیرو نوجوان اس قوم میں پیدا ہوا تو اس نے اپنی قوم میں ہر چہار طرف ذلت و غلامی کا دور دورہ دیکھا یہ دیکھ کر وہ رنج میں ڈوب گیا۔ لیکن وہ اس عزم کے ساتھ اُبھرا کہ اپنی بدنصیب قوم کو غلامی سے نجات دلائے گا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔

۲۔ نوجوان نے قوم کو آزادی کے لئے للکارا اور انہیں عزت و حریت کے ترانے سناتے ہوئے مظالم کے پنجۂ ظلم و استبداد کے مقابلہ میں ایک طاقت ور تنظیم کے لئے جوش دلایا۔

لیکن اس کی قوم مایوسی میں ڈوب کر پستی پسند بن چکی تھی۔ ان کے دل کی یہ آواز تھی کہ ہماری یہ پڑوسی حکومت بڑی طاقت ور ہے۔ ہم سے کبھی مغلوب نہیں ہو سکتی۔ وہ اس نوجوان کو بھی یہی نصیحت کر رہے تھے کہ اس دعوتِ حرّیت سے باز آ۔ ورنہ ظالم حکومت کو اگر معلوم ہو گیا تو ایسی زبردست فوج کشی کرے گی۔ کہ قتل و غارت گری کا زبردست بازار گرم ہو جائے گا۔

نوجوان کو محسوس ہو رہا تھا کہ قوم نے نہ صرف اپنی حریت و آزادی ہی کھوئی ہے بلکہ ان لوگوں نے خود اعتمادی اور ایمان باللہ سب ہی کچھ کھو دیا ہے۔ وہ اگر ڈرتے ہیں تو صرف اس مسلط ظالمانہ حکومت سے اور اگر انہیں کوئی فکر ہے تو صرف پیٹ بھرنے اور ذلت و خواری میں سانس لینے تک محدود رہے۔

نوجوان یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا۔ لیکن اس نے ہمت نہ ہاری بلکہ قوت و تنظیم اور قوم کو آزادی دلانے میں اس کے عزائم اور پختہ ہو گئے۔ خدا نے اس کو ایمان راسخ، سچا عقیدہ عالی ہمت، عقلِ سلیم، اور تدبر و حوصلہ کے تمام جوہر عطا کئے تھے۔ جسمانی طور پر بھی وہ گراں ڈیل اور کڑیل نوجوان تھا۔ اس کے سڈول بازو، فراخ سینہ، مضبوط پٹھے، آنے والے تابناک مستقبل کی خبر دے رہے تھے۔

اس نے حریت کے دلوں میں جان ڈالنے کے لئے مناسب خیال کیا کہ قوم کو پہلے عزم و ایمان سے روشناس کرائے چنانچہ اس نے قوم کو توحید کی طرف بلاتے ہوئے خدا پر ایمان و توکل کی بشارت سنائی۔ اس کا نقطۂ نظر یہ تھا کہ ایمان ہی ایسی قوت ہے جو بڑے سے بڑے دشمن کو زیر کر سکتی ہے۔ قوم کا ایمان اس خدائی طاقت پر پختہ ہونا چاہیئے۔ جس کے سامنے آسمان و زمین کے لشکر ہاتھ جوڑے کھڑے ہیں۔ اس عظمت و بلندی کے سامنے مخلوق کا تصور کوئی حقیقت نہیں رکھتا۔ اس نے پیغام دیا کہ اگر ہم اپنی اندرونی قوتِ ایمانی کو بیدار کر لیں اور رب العزت اور اس کی بخشی ہوئی قوت پر ایمان لے آئیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ ہماری مدد کے لئے آسمانی لشکر بھیج کر ہمیں بڑی سے بڑی ظالم و سرکش قوم پر کامیابی سے ہمکنار نہ کرے۔

اس نوجوان کی پُر ایمان تحریک اور حریت و آزادی کے جذبات قوم کو برابر جھنجھوڑتے رہے۔ شروع شروع قوم کی اکثریت اس کی باتیں سننے سے گریز کرتی اور بہت سے لوگوں نے اس کا

مذاق بھی اڑایا۔ وہ جوں جوں ان کو دعوت دیتے اور نصیحت و ہمدردی کے کلمات سناتے ہیں گویائی کی قوت سے کام لیتا، قوم میں نفرت و گریز کا اضافہ ہی ہوتا۔ لیکن وہ بھی ناامید نہیں ہوا اس کا ایمان تھا کہ خدا ہماری مدد کرے گا اور تحریک بہر حال کامیاب ہو کر رہے گی۔

اس نے قوم کے نوجوانوں کو بیدار کیا اور ان میں ایمانؔ صداقت کی ایسی سچی رُوح پھونکی کہ اچانک ان کی ہمتوں میں جان پڑ گئی۔ وہ اس کی بات سُن کر گرم جوشی کے ساتھ اس کے مددگار ہونے کے لئے سرگرم ہو گئے۔ اب بتدریج اس کی دعوت پھلنے پھولنے لگی۔ بیدار مغز لوگوں نے اس کی تحریک کو پسندیدہ نظروں سے دیکھا۔ . . . . . گو اب بھی قوم کی اکثریت اس سے بدک کر بھاگ رہی تھی یا اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

نوجوان نے ایک رات عجیب خواب دیکھا . . . .

اس نے دیکھا کہ وہ آسمان کی بلندیوں پر چڑھ گیا۔ سورج اس کے قریب آیا جس کو اس نے اپنے بابرکت اور طاقتور ہاتھوں میں مضبوطی سے تھام لیا۔

وہ فوراً بیدار ہوا۔ اور اپنے حامیوں کو یہ خواب سُنانے لگا۔ اس کا دل کامرانی کے نشہ میں سرشار تھا تھا۔

ذہین اور قوم کے سمجھ دار نوجوانوں کے لئے اس خواب کی تعبیر بالکل واضح تھی۔ وہ بالکل صحیح سمجھے تھے کہ ہمارے اس نوجوان لیڈر کا حریت پرور عزم ایک روز آفتابِ حقیقت بن کر ایک ناقابلِ تسخیر طاقت و عظمت میں ڈھل جائے گا وہ دنیا کے دونوں قرن یعنی مشرق و مغرب کا فاتح ہو گا . . . .

جاہلوں نے اس خواب کا مذاق اڑایا۔ وہ کہنے لگے۔ بلی کو خواب میں چھچھڑے ہی نظر آرہے ہیں۔ ہمیں تو ایسا نظر آتا ہے کہ خواب کی تعبیر اس کی طرح ہو گی کہ عنقریب جابر و قاہر بادشاہ کو گرفتار کر کے سر کے دونوں قرن یعنی جانبوں کو ایسا کھٹکھٹائے گا کہ اس کی کھوپڑی پارہ پارہ ہو جائے گی۔ بلکہ عجب نہیں کہ اس کو قتل کر کے بالوں سے باندھ کر اس کی لاش کو فضا میں معلق کر دے۔

بہر حال اس روز سے ہر خاص و عام کی زبان پر اس نوجوان کا نام "ذوالقرنین" جاری ہو گیا۔

۳۔ ذوالقرنین کو قوم میں وہ کامیابی نصیب ہوئی کہ ہر گوشہ سے قوم کے سر بر آوردہ لوگ اس کی حما . . . . یر ٹوٹ پڑے

وہ اب دل و جان سے حق کی باتوں پر ایمان لاتے ہوئے تحریک حریت میں شریک ہونے لگے تھے۔ اب ان کو حریت و استقلال کے جذبات نے اپنے حقوق کی خاطر جان تک دے دینے پر آمادہ کر دیا تھا۔

یہ غلام ملک اپنی گاڑھی خون اور پسینہ کی کمائی سے پڑوسی حکمران طاقت کو ہر سال خراج ادا کیا کرتا تھا۔ اس خراج میں خالص سونے کے بڑے بڑے ڈھیلے بادشاہ وقت کی نذر کئے جاتے۔ چنانچہ امسال جب خراج دینے کا وقت آیا تو بادشاہ کے نامزد کردہ آدمی مالِ خراج کی وصولی کے لئے پہنچے۔ لیکن ذوالقرنین نے ان کو نکال دیا اور بادشاہ کو لکھا۔

"میں وہ مرغی ذبح کر کے کھا چکا ہوں، جو تمہارے لئے یہ سونے کے انڈے دیتی تھی۔ اب میرے پاس تمہارے لئے کوئی چیز موجود نہیں ہے۔"

بادشاہ، ذوالقرنین کے اس گستاخ خطاب پر سخت غضبناک ہوا۔ لیکن جب اُسے معلوم ہوا کہ وہ ایک نوجوان لڑکا ہے۔ تو سنبھلا اور معمولی نوعیت کا واقعہ سمجھتے ہوئے، استہزا اور دھمکیوں بھرا خط اس کو بھیجا اور لکھا۔

"میں تم کو گیند بلا اور تلوں سے بھرا ایک پیالہ بھیجتا ہوں . . . . . گیند بلا تمہارے لئے ہے۔ کیونکہ تم جیسے انسان کو کھیل کود کے سوا کسی چیز سے بھی مناسبت نہیں ہوتی سلطنت کے تم قطعاً اہل نہیں ہو۔ اپنے غرور کے جامہ میں مت پھولو! ورنہ اپنی قوم کے ایسے بہادر تمہاری سرکوبی کے لئے روانہ کروں گا جو تمہیں پابہ زنجیر میرے سامنے لا کھڑا کریں گے۔ تمہارا لشکر اگر ان تل کے دانوں کی تعداد کی طرح بھی بے شمار ہے جو میں بھیج رہا ہوں، تو مجھے اس کی کوئی پروا نہ ہو گی۔"

ذوالقرنین نے جواب میں لکھا۔

"تمہارے خط کا مضمون پڑھا اور تمہارا تحفہ بھی ملا۔ حالات کی نوعیت معلوم کرنے میں تم نے صحیح اندازے سے کام نہیں لیا۔ یہ بلا جو تم نے بھیجا ہے۔ ملک گیری کی طاقت بن کر میرے ہاتھ میں آئے گا۔ میں انشاء اللہ اس کو بہت مضبوطی سے پکڑوں گا . . . . . اور تمہارے ملک کی سرزمین اب میری گیند ہو گی۔ میں بلے کی مدد سے گیند پر کاری ضرب لگا کر تمہارا ملک ضرور فتح کروں گا۔ تمہارا لشکر اگر ان بھیجے ہوئے تلوں کے برابر بھی ہو گا تو مجھے کوئی پروا نہ ہو گی۔"

ذوالقرنین نے قوم کے نوجوانوں کو جنگ کی تیاری کا حکم دیا۔ تو یہ فوج اپنے ہتھیاروں سے لیس ہو کر اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

روانگی کی تیاری مکمل ہوئی تو ذوالقرنین ان کو ہمراہ لیکر نکلا۔ سامان سے لیس ہو کر اس لشکرِ جرار نے ظالم بادشاہ کے ملک کا رُخ کیا۔ دشمن ملک کے باشندوں کو اس ناگہانی حملہ کا علم ہوا تو سب ہراساں ہو گئے۔ ان کے دلوں میں خدا نے ایسا رعب ڈالا کہ قوم کے نمائندے بادشاہ کی خدمت میں پہنچے اور انہوں نے ایک عرض داشت پیش کی۔

"بہتر معلوم ہوتا ہے کہ آپ ذوالقرنین سے مصالحت کر لیں کیونکہ اس بہادر سپہ سالار اور اس کی طاقتور فوج سے ہم میں لڑنے کی طاقت نہیں۔ قوم اس کے لئے تیار ہے کہ وہ خراج ہم ان لوگوں سے وصول کیا کرتے تھے، اب ہم ان کو پیش کر دیں۔"

بادشاہ نے یہ عرضداشت سُنی تو غضب آلود ہو کر ان پر برس پڑا۔ اور اپنی فوج کو مقابلہ کے لئے جمع ہو جانے کا حکم دیا۔ چنانچہ فوج میں جنگی تیاریاں شروع ہو گئیں۔

ذوالقرنین کے جاسوسوں نے اسے بتایا کہ حاکم اور رعایا میں اختلاف کی وسیع خلیج حائل ہو چکی ہے اور ملک میں سخت اضطراب و پریشانی کے آثار نظر آرہے ہیں۔ ذوالقرنین نے اپنی فوج کو بتایا کہ اللہ تعالےٰ نے دشمنوں کے دلوں کو مرعوب کر دیا ہے یہ لوگ خواہشات میں پڑے ہوئے فسق و فجور کی زندگی گذار رہے تھے۔ غیر اللہ کی پرستش کی وجہ سے ان لوگوں کا دین قطعاً متزلزل ہو چکا تھا۔ ذوالقرنین نے اپنی قوم کو تقویٰ اور صبر و ثبات کی تلقین کی اور اس نے دشمنوں سے جم کر ثابت قدمی سے جنگ کرنے کی تعلیم دیتے ہوئے انہیں آنے والی کامیابی کی خوشخبری دی۔

دونوں فوجوں میں خون ریز جنگ ہوئی اور لڑائی نے کچھ طول نہ پکڑا۔ ایمان والوں نے کافروں کو ایسی مضبوطی سے دبایا کہ وہ میدان چھوڑ کر بھاگ نکلے اور بادشاہ میدان میں گرفتار ہو کر قتل ہوا۔

ذوالقرنین نے اس مظلوم قوم کی قسمت کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا۔ اس نے فتح حاصل کرتے ہی امن و انصاف کا جھنڈا بلند کر دیا۔ ایمان والوں کو اس کامیابی سے جو خوشی ہوئی وہ اندازے سے باہر تھی۔

۴۔ ذوالقرنین کے جوان عزائم اگر ملکی آزادی تک ہی محدود ہوتے تو جہاں وہ پہنچا تھا، وہاں اس کے قدموں کو رُک جانا چاہیئے تھا۔

اگر وہ صرف بادشاہانہ ٹھاٹ باٹ اور شاہانہ سطوت و جاہ کا خواہش مند ہوتا تو آج وہ اپنے اور دشمن دونوں کے ملکوں پر بادشاہ ہو کر فخر و غرور سے سر اُونچا کر سکتا تھا۔

لیکن ذوالقرنین اللہ پر سچا ایمان رکھنے والا نوجوان مسلمان تھا۔ ظاہر ہے کہ مومن اپنی ایمانی سعادت پر نازاں ہوا کرتا ہے نہ کہ ملک فانی کے زرق برق جاہ و منصب پر، وہ صرف اسی پر قانع نہیں ہوتا کہ اس کے ملک میں امن و امان کا دور دورہ ہو اور باشندے اطمینان سے روزی کما سکیں بلکہ وہ آگے بھی قدم بڑھاتا ہے۔ چنانچہ ذوالقرنین نے بھی اپنے عزم و ہمت سے کام لیتے ہوئے روئے زمین کے مشرق و مغرب کو اللہ کا کلمہ بلند کرنے کے لئے فتح کر لینے کا ارادہ کیا۔ اس کی آرزو تھی کہ اس نوجوانی کا خواب سچا ہوا اور وہ زمین کے مشرق و مغرب پر چھا جائے۔

اس نے غروب آفتاب کے وقت اپنے اس سفر کی تیاری کی اور تمام ضروری سامان فراہم کیا۔ خداوند تعالیٰ قرآن میں اسی واقعہ کو اس طرح بیان کرتا ہے۔

انا مکنا لہ فی الارض واتیناہ من کل شیٔ سببا۔

ترجمہ:۔ ہم نے اُسے روئے زمین فتح کر لینے کی قوت بخشی اور تمام ضروری سامان عطا کیا۔

وہ اپنا لشکر لے کر مغرب کی سمت چل پڑا — وہ اس سفر میں بڑے وسیع اور فراخ میدانوں میں پہنچا۔ جن کا آخری کنارہ حدِ نظر سے بھی آگے تھا۔ یہ نشیبی میدان تھے۔ پانی جذب ہونے کے سبب سیاہ رنگ کے گارے کی طرح نم دار مٹی والے تھے۔ جس نے ہر طرف سے روئے زمین کو ڈھانپ تھا۔

یہاں سورج ڈوبنے کا عجیب منظر تھا۔ ذوالقرنین مغربی اُفق پر نظر جمائے دیکھ رہا تھا۔ اس خوبصورت ارغوانی شفق میں جو آسمانی کناروں میں پھیلی ہوئی تھی۔ اسے قدرت کا کرشمہ نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سورج اپنی بلندی سے نیچے کی طرف جھکتے ہوئے ان سیاہ رنگ کے نشیبی میدانوں سے گلے ملنا چاہتا ہے۔ سورج کی سرخ کرنیں زمین کے اس سیاہ حاشیہ میں بتدریج ڈوبتی ہوئی یوں معلوم ہوتی تھیں گویا

سیاہ زمین پر آگ کے شعلے برس رہے ہیں۔ قرآن کریم میں اسی کا بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے۔

حتیٰ اذا بلغ مغرب الشمس وجدھا تغرب فی عین حمئۃ۔

ترجمہ:۔ ذوالقرنین جب وہاں پہنچا تو سورج کو سیاہ چشمے میں ڈوبتے ہوئے دیکھا۔

گویا ذوالقرنین کی فوجیں روئے زمین کے انتہائے مغرب میں پہنچ چکی تھیں۔ یا بالفاظ دیگر وہاں دنیا کی آبادی ختم ہو چکی تھی۔ یہ دنیا کا وہی نقطہ (سمت) تھا جس پر اس نے خواب میں اپنی بادشاہت و حکمرانی دیکھی تھی۔ اس سیاہ روئے زمین کی حدود میں ہر چہار طرف کافر اقوام آباد تھیں۔ خدا نے اس کو ان تمام علاقوں میں فتح و نصرت دی اور وہاں کی حکمرانی عطا کرتے ہوئے اس کو اختیار دیا کہ وہ خواہ ان لوگوں کو کفر و گمراہی کی پاداش میں سزا دیتے ہوئے قتل کردے۔ خواہ ان کو اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کرے یا ان دونوں صورتوں سے بہتر صورت اختیار کرتے ہوئے ان پر احسان و درگزر سے کام لے۔

ذوالقرنین ایک نیک اور پارسا آدمی تھا۔ وہ رعایا کی اصلاح اور دونوں جہان میں ان کی کامرانی دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کا مقصد یہ ہرگز نہ تھا کہ لوگوں کو عذاب میں مبتلا کرے یا ان کو غلام بنائے یا ان کے وطنوں پر اپنا سکہ بٹھائے۔ وہ ان علاقوں میں باغی یا استعمار پسند بن کر نہیں بلکہ مصلح اور مبشرِ الٰہی بن کر آیا تھا۔ مستعمرین اور مومنین میں یہی زمین و آسمان کا فرق ہوتا ہے کہ استعمار پسندوں کا بجز اس کے اور کوئی مطمع نظر نہیں ہوتا کہ اپنے کمینہ پن کا مظاہرہ کرتے ہوئے قوت کے بل بوتے پر زمین میں بسنے والے مجبوروں اور مسکینوں پر اپنا تسلط قائم کرتے ہیں۔ وہ لوگوں کے وطنوں پر قبضہ کرتے اور ان کی عزت کو خاک میں ملا دیتے ہیں۔ آزادی پسند باشندوں کو قید یا قتل کر ڈالتے ہیں۔ یہ قطعاً اسفلی جذبات کا مظاہرہ ہے۔ جسے خداوند تعالیٰ بالکل ناپسند کرتا ہے۔ اس نے قوت کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ فضائل و کمالات اور تائیدِ حق کو فروغ بخشا جائے۔ حریت و شرف کی نگہبانی کی جائے۔ نہ اس لئے کہ باعزت باشندوں کو ذلیل کیا جائے۔

اس کے بالمقابل مومن طاقت وروں کی یہی روش رہی ہے کہ وہ اپنی قوت کو لوگوں کی آسائش پر صرف کرتے تھے اور ایمان و صداقت کی روشنی میں لوگوں کو خوش بخت دیکھنا چاہتے تھے چنانچہ ذوالقرنین نے ان کافروں کو قید میں ڈالنے سے اجتناب کیا۔ اس نے لوگوں کو نصیحت کرتے ہوئے ایمان باللہ کی دعوت دی، حقائق کھول کر ان کے سامنے رکھیں۔ اگرچہ پھر بھی لوگوں نے ایمان سے بے رخی اختیار کرتے ہوئے کفر و فسق کو ترجیح دی تو اس نے جو مناسب سمجھا ان کو عذاب دیا۔ یا پھر ان کا معاملہ خدا کے حوالہ کر دیا اور جن لوگوں نے ایمان و عملِ صالح کی زندگی پسند کی۔ اس نے ان کو عزت و منزلت بخشی۔ آخرت میں جزائے حسن اس کے علاوہ تھی۔

یہ تھا وہ احسان و کرم جو اس نے ان اطراف کے لوگوں کے حق میں روا رکھا۔ قرآن کریم کہتا ہے۔

حتیٰ اذا بلغ مغرب الشمس .... جزاء الحسنیٰ وسنقول لہ من امرنا یسرا۔"

ترجمہ:۔ جب وہ مغرب میں پہنچا تو سورج کو سیاہ چشمے میں ڈوبتے ہوئے دیکھا۔ اس نے وہاں ایک قوم (کافر) پائی ہم نے کہا ذوالقرنین! ان لوگوں کو خواہ عذاب دو خواہ ان پر احسان کرو۔ اس نے اعلان کیا کہ جو ظلم پر کمر باندھے گا ہم اس کو سزا دیں گے اور آخرت میں بھی عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوگا۔ لیکن جو ایمان و عمل صالح کو اپنائے گا تو اس کو بہترین جزا ملے گی اور آخرت میں بھی ہم اس کو آسانیاں بہم پہنچائیں گے۔

ذوالقرنین نے اس ملک میں عمرانیات کو ترقی دے کر قوم کو اصلاحِ احوال کی طرف متوجہ کیا۔ زراعت و صنعت اور علم و معرفت وغیرہ کی ترقی کی داغ بیل ڈالی۔ وہ لوگوں میں تبلیغ ایمان کا جذبہ لے کر اٹھا تھا۔ وہ اس سلسلہ میں نہ صرف الفاظ و تقریر اور نرم اور سریلے نغموں پر اکتفا کر رہا تھا۔ بلکہ اس نے خدائی قوانین کی سربلندی میں ایک مستقل دعوت و تبلیغ کی بنیاد رکھی تھی۔ علم کی طرف توجہ دی۔ اس جیسے پست ترین دور میں علمائے فن کو بام عروج پر پہنچایا۔ اسی طرح صنعت و حرفت کے باب میں اس دور کے مشہور ماہرین کو سرگرم عمل کیا۔ ....

لشکر کشی، آلات جنگ اور فنونِ حرب میں اس نے وہ زبردست ترقی کی کہ دنیا میں سب سے بڑی طاقتور فوج کا مالک ہو گیا۔

اس میں یہ خوبی تھی کہ وہ جس کام کو بھی لیتا اس کے متعلق تمام سر و سامان کو علمی روشنی اور مادی ترقیات کی صورت میں بروئے کار لاتا۔ اس لئے وہ اپنے دور کا بہت بڑا مصلح ہوا وہ جہاں بھی پہنچتا قوموں کی سربلندی کا سرگرم محرک ثابت ہوتا۔ قرآن کریم نے

دقیقہ سنجی سے کام لیتے ہوئے اسی حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے۔

انّا مکّنّا لہ فی الارض و اٰتینٰہ من کل شیءٍ سببا۔

ترجمہ:۔ ہم نے اس کو زمین پر قابو یافتہ بنایا اور ہر قسم کے اسباب سربلندی اس کے لئے فراہم کردیئے۔

یعنی ہر نوع کے اسباب و وسائل اس درجہ میں فراہم کئے کہ وہ بخوبی اپنے مقاصد میں کامیاب رہا۔

جب وہ بلادِ مغرب میں اترا تو جیساکہ ہم اوپر بیان کرآئے ہیں۔ اس نے مختلف قسم کی اصلاحات نافذ کیں۔ ان اصلاحات میں سب سے زیادہ قابلِ ذکر اصلاح ایک "مسجد" کی تعمیر و تاسیس تھی۔ کیونکہ مسجد جہاں کہیں بھی ہو وہ منزلِ رحمت اور روحانی زندگی کا منبع ہوتی ہے۔ ملکی ترقی کی تاسیس اگر عبادتِ سلیمہ اور عقائد صالحہ پر نہ ہو تو کوئی بھی ترقی و اصلاح پروان نہیں چڑھتی۔

ذوالقرنین نے ایک عظیم الشان مسجد تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ کہنے والوں نے کہا کہ اس کی لمبائی چار سو ہاتھ اور چوڑائی دو سو ہاتھ تھی اور سو ہاتھ تک وہ فضا میں سربلند تھی۔ دنیا کی اس مضبوط ترین مسجد کی بنیادیں چوبیس ہاتھ چوڑی بتائی گئی ہیں۔ اس مسجد کی تعمیر میں معماروں نے بڑی سرعت سے کام لیتے ہوئے بڑے بڑے انجینئروں کی نگرانی میں اس کی تعمیر مکمل کی۔ دیواروں کو جہاں تک بلند کرنا تھا، جب بلند کرچکے تو چھتیں اس وضع کی ڈالیں جیسی کہ ہم آجکل اپنے دور میں سیمنٹ سے لینٹر ڈال کر پختہ چھتیں بناتے ہیں۔ فرق صرف اس قدر تھا کہ دورِ حاضرہ میں سیمنٹ کے ہمراہ پانی، ریت اور کنکریٹ استعمال کی جاتی ہے اور ان لوگوں نے پیتل کو پگھلایا اور اس کے ذریعہ تمام سوراخ اور درازیں بند کیں۔

لینٹر ڈالنے میں آج جن آسان طریقوں سے ہم مدد لیتے ہیں، وہ اس زمانہ میں لوگوں کو میسر نہ تھے۔ اس کے لئے مجبوراً انہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ تمام مسجد کو سو میٹر کی بلند دیواروں تک مٹی سے پاٹ دیا۔ پھر اس مٹی کی سطح کو ہموار اور پختہ کرکے، اس کے اوپر چھت کا لینٹر بچھایا اور تمام پتھروں اور اینٹوں کی درازوں کو پگھلے ہوئے پیتل سے بند کردیا۔

جب یہ لینٹر خشک اور مضبوط ہوگیا تو چھت کے نیچے سے تمام مٹی نکالی گئی۔ اب تمام چھت نہایت مضبوط اور مستحکم تھی۔ اس کے بعد مسجد کی دیواریں رنگ و روغن سے آراستہ کی گئیں، زمین پر پختہ فرش بچھایا گیا۔ اس میں زیبائش کے بعد دنیا کی تمام تعمیرات کے مقابلہ میں یہ مسجد تعمیر کا ایک حسین ترین نمونہ تھی۔

۵۔۔ یہ داستان ذوالقرنین کے بلادِ مغرب میں تسلط و نفوذ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس کا نفوذ ملک گیری پر نہیں بلکہ کلمۂ توحید کی اشاعت پر مبنی تھا۔ وہ جب اس سمت سے فارغ ہوا تو اب اس نے بلادِ مشرق کا رُخ کرتے ہوئے وہاں کے مختلف علاقوں کی اصلاح کرنے، فاسد عقیدوں اور توہمات کو پُرو بال طرزِ حیات سے نکال دینے کی ٹھانی۔ اس کا یہ مقصد تھا کہ دنیا کو ظلم سے نجات دلاکر لوگوں کو خدا کی مرضی کے مطابق ہر قسم کے روحانی و جسمانی تمدن سے آشنا کرے۔

ذوالقرنین اپنے عظیم الشان لشکر اور تمام متعلقہ ضروری سامان کو ہمراہ لے کر ایک مسلسل جنگ و پیکار سے لبریز طویل سفر پر روانہ ہوا۔ اس کے ہمراہ انجینئر، اطباء اور صنعت و حرفت کے تمام ماہرین تھے۔ اس کا گزر جس قوم و ملک سے بھی ہوتا، وہ لوگوں کو خدا کی طرف بلاتا، ایمان لانے پر لوگوں کو جانی، مالی اور ملکی آزادی عطا کرتا لیکن اگر کوئی قوم اپنے کفر و عناد سے باز نہ آتی تو وہ اس کو دردناک سزائیں دیتا۔

اس کی راہ میں جب کوئی نہر یا دریا حائل ہوتا تو وہ بغیر کسی تاخیر کے پوری سُرعت سے اس کو عبور کرلیتا۔ کیونکہ انجینئروں کو اس نے اسی مقصد کے لئے ہمراہ لیا تھا۔ وہ ہلکی قسم کی لکڑی کے تختے ساتھ رکھتے تھے۔ ان کو جوڑ کر بڑے مختصر سے وقت میں مضبوط کشتیاں تیار کرلیتے اور نہر یا دریا عبور کرلینے کے فوراً بعد ان تختوں کو علیحدہ کرکے آنے والے دوسرے دریا نہر کی طرف قبل از وقت پہنچ جانے کا اہتمام کرتے۔

وہ مشرقی سمت میں اس سفر پر نہایت مختلف بود و باش رکھنے والی قوموں سے دوچار ہوا، جن کی زبانیں اور ادیان ایک دوسرے سے یکسر مختلف تھے۔ وہ چلتے چلتے جب مشرقی ایشیا میں سمندری کنارے پر پہنچا تو ساحلِ سمندر پر ایک قوم کو پایا۔ جو سمندری مچھلی کا شکار کرنے میں مشغول رہتے تھے اور وہ غاروں میں رہتے تھے ان کے مسکنوں میں گرمی سردی کے بچاؤ کے لئے کچھ سامان فراہم ۔ ۔ ۔ ۔ ساحلی زمین چونکہ نم ہوتی ہے اس لئے وہ مکانات تعمیر نہیں کرتے تھے کیونکہ مکانوں کی بنیادیں جلد ہی شکستہ ہوجاتی تھیں۔

ان علاقوں میں صبح کے وقت سورج طلوع ہوتا تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ اُفقِ بعید میں سمندر کی سطح پر تیر رہا ہے۔

یہاں درخت، کھیت اور پہاڑ کوئی ایسی چیز نہ تھی جو ان سے

باشندوں کو دھوپ کی تمازت یا سردی کی شدت سے محفوظ رکھتی۔ قرآن کریم نے اسی واقعہ کی طرف اشارہ کرتے فرمایا۔

حتیٰ اذا بلغ مطلع الشمس وجدھا تطلع علیٰ قوم لم نجعل لھم من دونھا ستراً۔

۶۔ سمندر پار ذوالقرنین جن شہروں میں داخل ہوا، وہ بلا مزاحمت سر ہوتے گئے۔ اس طرف سے ہٹ کر اس نے اپنے لشکر سمیت چین کی وسیع سرزمین کا رُخ کیا، اس کے سامنے شاداب وادیاں اور سربلند چٹانیں تھیں۔ وہ دو اونچے پہاڑوں کے بیچ میں ایک لمبے چوڑے وسیع دھانے پر پہنچا۔ پہاڑوں کے پیچھے ایک صلح جو نیک خو اور ایماندار قوم آباد تھی لیکن ان کی کچھ ایسی مخصوص زبان تھی جسے ان کے علاوہ کوئی نہ سمجھ سکتا تھا۔ بات یہ تھی کہ وہ بین الاقوامی دنیا سے بالکل الگ تھلگ پہاڑوں کے پیچھے آباد تھے۔ لہٰذا ان کا اس طرح کا ہونا ظاہر ہے کہ ایک فطری امر تھا۔

دو کوہستانی سلسلوں کے درمیان ایک وسیع دھانے کی موجودگی ان مصیبت اور شب و روز پریشانیوں کی ایک المناک داستان تھی۔ کسی حالت میں بھی وہ اپنی جانوں اور مالوں کی طرف سے مطمئن نہ تھے۔ دراصل اس نواح میں دو وحشی قبیلے آباد تھے۔ کہ تہذیب و تمدن یا خدا ترسی کی ان کو ہوا نہ لگی تھی وہ مویشیوں اور جنگی جانوں کا شکار کر کے اپنا پیٹ پالتے تھے۔ اگر یہ شکار میسر نہ ہوتا تو جنگل کی نباتات اور سبزیوں پر ان کا گزران ہوتا۔ ان میں سے ایک قبیلہ کا نام (یاجوج) اور دوسرے کا (ماجوج) تھا۔

یہ دونوں قبیلے سیلِ رواں کی طرح اس وسیع دھانے کے راستے اس صلح پسند قوم پر ٹوٹ پڑتے۔ ان کی کھیتیاں اور باغات اُجاڑ دیتے۔ مال اور مویشی چھین لیتے۔ مردوں، عورتوں اور بچوں میں سے جو کوئی بھی ہاتھ آتا اُسے قتل کر ڈالتے۔ نہ ان میں رحم کا مادہ تھا کہ وہ ایسا کرنے سے باز رہتے اور نہ خدا ترسی تھی جو ان کو اس وحشیانہ فعل سے روکتی۔ اگر وہ تہذیب سے آشنا ہوتے تو یقیناً باہمی تنظیم پر معاشرہ کی بنیاد رکھتے ہوئے اپنے ہمسائیوں سے نیک سلوک روا رکھتے۔

ان نیک لوگوں کو ذوالقرنین کی فوج کا مقصد معلوم ہوا تو وہ لوگ بہت خوش ہوئے۔ ذوالقرنین کے ہاتھوں وہ لوگ اپنی مصیبت سے خلاصی کی آرزوئیں وابستہ کرنے لگے۔ چنانچہ ان میں سے عقل مند اور زیرک لوگوں کا ایک نمائندہ وفد ذوالقرنین کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اولاً ان لوگوں نے اپنے مومن ہونے کا اعلان کیا۔ پھر یاجوج، ماجوج کے قبیلوں کی ہلاکت آفریں، طوائف الملوکی اور فساد کی داستان غم عرض کرتے ہوئے کہا کہ ان وحشی لوگوں کی نسل بڑی سرعت سے بڑھ رہی ہے۔ ان کی نسلی پیداوار اور کثرتِ تعداد کی آپ کو صحیح کیفیت معلوم ہو تو آپ بھی ہمارے ہم خیال ہو کر اس حقیقت تک پہنچ جائیں گے کہ یہ لوگ عنقریب روئے زمین پر پھیل کر ہر طرف چھا جائیں گے۔ اور بستیوں کے باشندوں کو باہر نکال کر ہر جگہ کا امن و امان تباہ کر کے چھوڑیں گے۔

یہ نمائندہ وفد اس حقیقت سے بے خبر تھا کہ ذوالقرنین کا تمام روئے زمین پر سکہ چلتا ہے۔ تمام اسباب و وسائل اس کو میسر ہیں۔ اس کے ہمراہ صناعوں، انجینیروں اور ہر قسم کے علماء و رجالِ فن کے گروہ ہیں۔ اس لئے وہ لوگ ذوالقرنین سے درخواست کرتے ہوئے عرض کرنے لگے کہ پہاڑوں کے درمیان اس وسیع دھانے پر ایک ایسا مضبوط بند باندھنے کی ضرورت ہے جو یاجوج ماجوج کے لئے قطعاً ناقابل عبور ہو۔ انہوں نے اپنی درخواست میں یہ بھی عرض کیا کہ وہ اس سلسلہ میں ہر قسم کی اُجرت پیش کرنے کے لئے تیار ہیں۔

ذوالقرنین نے ان کی درخواست کو سن کر ان سے بے حد ہمدردی ظاہر کی۔ وہ اس وحشی قوم کی فساد انگیزی پر غصہ سے لال پیلا ہو گیا۔ اس نے ان نیک لوگوں سے کہا۔ میں خدا کی اس وسیع زمین پر اس لئے نہیں آیا ہوں کہ مال جمع کروں یا ملکوں پر اپنا تسلط قائم کروں کیونکہ خدا نے مجھے دنیا کے مال و سلطنت سے بہتر مقصد کے لئے اس دنیا میں بھیجا ہے۔ میں صرف حق کا پیغام عام کرنے کے لئے نکلا ہوں۔ میں ظلم و زیادتی اور طوائف الملوکی کی جڑیں اکھاڑ پھینکتا ہوں۔ تمہارے مال تمہیں مبارک! مجھے ان سے کوئی واسطہ نہیں، میں تم سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ اس بند بنانے میں تم ہماری پوری پوری مدد کرو۔

۷۔ ذوالقرنین نے اس ملک کے باشندوں کو سب سے پہلے یہ حکم دیا کہ وہ لوہے کے ٹکڑے اتنی وافر مقدار میں فراہم کر دیں جو اس دیوار کی تعمیر میں کافی ہوں۔

پھر انجینیروں کو حکم دیا کہ وہ دونوں جانب کے پہاڑوں کی

بلندی اور چوڑائی کا اندازہ کریں۔

مزدوروں اور کاریگروں کو زمین میں اس قدر گہری بنیادیں کھودنے کا حکم دیا کہ پانی کی سطح تک گہری کر دیں۔

پھر ان بنیادوں میں اس نے چٹانیں اور پگھلا ہوا پیتل بڑی کثیر مقدار میں استعمال کیا جس سے پتھر آپس میں مل کر ہموار ہو گئے۔

اس طرح یہ بنیاد بھرتی ہوئی سطح زمین تک ہوئی تو پہاڑوں کے درمیانی خلاء میں یکے بعد دیگرے ہر طبقے میں لوہے کے ٹکڑے بچھا دیئے گئے اور درمیان میں کوئلہ بچھا دیا گیا۔ حتیٰ کہ لوہے کی یہ چوڑی دیوار درجہ بدرجہ بلند ہوتی ہوئی، دونوں سمتوں کے پہاڑوں کی بلندی تک جا پہنچی۔

اس کے بعد اس نے اس کوئلے میں آگ دھونکنے کا حکم دیا جو لوہے کے ٹکڑوں میں بچھائے گئے تھے۔ اس سلسلہ میں آگ پھونکنے کی بڑی بڑی پھونکنیاں استعمال کی گئیں جس سے وہ کوئلہ دہکتی ہوئی آگ میں منتقل ہو گیا۔ اس گرمی سے لوہے کے ٹکڑے بھی آگ کی طرح نرم اور سرخ ہو گئے اور تپتے ہوئے سرخ لوہے پر پگھلا ہوا پیتل ڈال کر ان تمام درزوں کو بند کر دیا گیا جو لوہے کے ٹکڑوں اور پتھروں کے بھراؤ میں باقی رہ گئی تھیں۔ غرض تمام کام اس قدر ٹھوس اور مضبوط ہوا کہ جب آگ سرد ہوئی تو پیتل تمام درزوں میں بھرا ہوا چمک رہا تھا۔ لوہا سیاہ ہو کر اپنی جگہوں پر جا گزیں ہو چکا تھا۔ لوگوں نے اسے ایک حیرت انگیز کارنامہ محسوس کیا۔ مضبوط آہنی ستونوں میں پیچ اور پیتل بھرا ہوا تھا۔ بنیادیں پختہ اور ٹھوس تھیں، دیوار کیا تھی ایک موٹا اور ناقابلِ شکست پہاڑ تھا۔ جس میں نقب لگانے یا توڑ پھوڑ کی بالکل کوئی گنجائش باقی نہ تھی۔ ساتھ ہی چکنی اور سپاٹ بھی تھی جس پر چڑھنا ناممکن تھا۔

ذوالقرنین نے دیوار کو ملاحظہ کیا تو خدا کی حمد و ثنا کی اور کہا۔

"یہ میرے پروردگار کا بہت بڑا احسان ہے"۔ ذوالقرنین اور وہاں کے نیک باشندوں کے درمیان جو گفتگو ہوئی قرآن کریم اس کو حسب ذیل الفاظ میں نقل کرتا ہے۔

حتیٰ اذا بلغ بین السدین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ فما اسطاعوا ان یظہروہ وما استطاعوا لہٗ نقبا۔

ترجمہ:- یہاں تک کہ جب ذوالقرنین دو پہاڑوں کے درمیان پہنچا تو اس کے پار ایک قوم کو پایا جو گویا کوئی بھی بات نہیں سمجھتے تھے۔ ان لوگوں نے کہا، "اے ذوالقرنین! یاجوج و ماجوج (اس) سرزمین میں بڑا فساد مچاتے ہیں"۔ تو کیا ہم آپ کے لئے کچھ سرمایہ جمع کر دیں جس سے آپ ہمارے اور ان کے درمیان کوئی روک بنا دیں؟ ذوالقرنین نے کہا، میرے پروردگار نے مجھے جو کچھ دے رکھا ہے وہ بہت کچھ ہے۔ لیکن تم محنت سے میری مدد کرو تو میں تمہارے اور ان کے درمیان خوب مضبوط دیوار بنا دوں گا۔ تم لوگ میرے پاس لوہے کی چادریں لاؤ، یہاں تک جب ان دونوں پہاڑوں کے سروں کے درمیان کو برابر کر دیا تو کہا کہ دھونکو، یہاں تک کہ جب اسے آگ بنا دیا تو کہا کہ اب میرے پاس پگھلا ہوا تانبا لاؤ اور اس پر ڈال دوں۔ سو یاجوج ماجوج اس پر چڑھ سکتے تھے اور نہ اس میں نقب ہی لگا سکتے تھے۔

غرض اس طرح وہاں کے نیک باشندوں کو امن کی زندگی نصیب ہوئی۔ اب ان کی مالی حالت اور پیداوار و آمدنی میں رات دن اضافہ شروع ہو گیا اور ذوالقرنین ان لوگوں کے لئے خدائی رحمت ثابت ہوا۔

غور کرنا چاہیئے کہ ان دشوار گزار طویل سفروں، پُر خطر جنگوں اور ہیبت ناک مساعی سے ذوالقرنین نے کیا پایا؟

اگر وہ یہ تمام حرکت دولت اندوزی کے لئے کرتا تو یقیناً وہ اور اس کے احباب و انصار دنیا کے بہت بڑے دولت مند اور حکمران بن جاتے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ وہ خدا پر ایمان رکھتا تھا۔ اس کو ہر وقت اسی کی رضا و خوشنودی مطلوب تھی۔ اس کا ہر قدم آخرت کے ثواب کو حاصل کرنے کے لئے اٹھ رہا تھا۔ اس نے اپنی تمام عمر روئے زمین پر بسنے والوں اور ان کی تہذیب و شائستگی اور تعمیر و ترقی کے لئے وقف کر دی۔ پھر ان میں سب سے بڑھ کر اس کا روشن ترین مقصد انسانوں میں خدا کی عبادت و دعوت کو عام کرتے ہوئے ہمہ گیر عدل و انصاف کے لئے پُر امن زندگی کی بنیاد ڈالنا تھی۔

اس کے یہی بلند مقاصد اس کو وہ قابلِ رشک مقام دے گئے، کہ خداوند تعالیٰ نے اس کے ذکر کو قرآن کریم جیسی کتاب میں جگہ دی۔ قرآن اس کی بلند سیرت پیش کرتے ہوئے ہر اس شخص کو اس کے کردار کی تقلید کی طرف بلاتا ہے جو شرف و اعزاز کی طرف راغب ہو۔ قابلِ رشک بلندی چاہتا ہو، اور شاندار شہرت کی اپنے دل میں اُمنگیں رکھتا ہو۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

المملکۃ الاسلامیۃ

از:- مولانا محمد اکرم کاشمیری

> یہ مضمون ہمیں تاخیر سے موصول ہوا۔ ہر چند کہ اس کا تعلق بظاہر انتخاب سے معلوم ہوتا ہے لیکن فی الحقیقت یہ مستقل ضرورت ہے۔ اسی کے پیشِ نظر ہدیہ قارئین ہے۔ (ادارہ)

ہر قوم کی زندگی میں زود یا بدیر ایسا وقت ضرور آتا ہے جب اسے اپنی تقدیر کے آزادانہ انتخاب کا موقع میسر آ ہی جاتا ہے۔ یعنی اسے ایسے فیصلوں کا موقع مل جاتا ہے۔ کہ اُسے کونسی راہ اختیار کرنی چاہیے اور اس کا نصب العین کیا ہو؟ وہ مخالف احوال کے دباؤ سے آزاد نظر آتی ہے۔ اُسے اپنے پسندیدہ انتخاب سے دُنیا کی کوئی طاقت روک نہیں سکتی۔ ایسے تاریخی اوقات و لمحات پہلے تو بہت کم میسر آتے ہیں۔ میسر آنے پر بادِ صرصر کی طرح بہت تیزی سے گزر جاتے ہیں۔ اس لیے ان لمحات و اوقات کی قدر کرنی چاہیے اور ان سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ عدم استفادہ کی صورت میں ان لمحات گزرنے کے بعد سوائے حسرت و یاس کچھ بھی نہیں ملتا۔ بلکہ صدیوں تک دستِ حسرت ملنے پڑتے اور افسوس کے آنسو بہانے پڑتے ہیں۔

ہمارا وہ ملک جو ہمیں جان سے زیادہ عزیز ہے۔ جس کو ہزاروں علماء، دانشوروں، مفکّروں، مدبروں، اور سیاست دانوں نے محض اس لیے حاصل کیا تھا کہ اس میں ہم نظام مصطفےٰ رائج کریں گے اور اس کو ایک مضبوط اور فعال مملکت اسلامیہ بنائیں گے۔ اپنی زندگیوں کو اسلامی سانچے میں ڈھالیں گے۔ ہر محفل اور ہر مجلس میں حلف اٹھائے اور عہد کیے گئے تھے اور اسی بنیاد پر الگ ملک حاصل کیا تھا۔ ہمیں اُمید تھی کہ اس میں اسلامی قوانین کا نفاذ ہوگا۔ لیکن امید کی آنکھوں سے دیکھتے رہے ایک حکومت آتی جب اس کی آمد آمد ہوتی ہم خوشی کے نعرے لگاتے کہ اب اسلامی حکومت آئے گی لیکن جب اس کا دورِ اقتدار زوال پذیر ہوا تو دوسری حکومت کے اقتدار کا سورج طلوع ہوا، پھر امیدیں باندھیں کہ شاید اب ہم دل کی تمنّا پوری کر سکیں گے۔ اسی بیم و یاس میں تقریباً تیس سال گزرے۔

امید و یاس ہوں پیہم کبھی ایسا بھی ہوتا ہے

لیکن ہم جس اسلامی حکومت کا تصوّر لے کر چلے تھے وہ عیاں نہ ہوا۔

اب جب کہ آدھا پاکستان رہ گیا ہے۔ پھر انتخابات کا اعلان ہوا ہے۔ پھر انتخابات بھی آزادانہ اور منصفانہ (خدا کرے ایسے ہی ہوں) یہ اعلان ہم سب کے لیے باعثِ مسرّت ہے۔ اس لیے کہ ہم ایک عرصے امیدوں، غلطیوں اور مایوسیوں کے طوفان سے گزرے ہیں۔ اب یہ امید لگتی ہے کہ شاید ہمارا ملک ایک اسلامی مملکت بنے گا۔ جس میں ہر شخص کی عزت مال اور جان بالکل محفوظ ہوتی ہے۔ کسی کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

اب اس مملکت کو اسلامی مملکت بنانا ہمارا کام ہے۔ آج مسلمانانِ پاکستان اگر چاہیں تو وہ اسلام کے زریں اصولوں اور شریعت کے عظیم دستور کے مطابق اس ملک کو ایک مضبوط اور فعال اسلامی

مملکت بنالیں۔ یا پھر اس ملک کو کافر قوانین کے حوالے کر دیں۔ ہر مسلمان کا یہ فرض ہے کہ وہ اسلام کی خدمت صرف نام لینے سے نہیں ہوتی بلکہ عمل کرنے سے ہوتی ہے۔

اسلامی مملکت میں سربراہ کا انتخاب ایک غیر معمولی حیثیت رکھتا ہے اور بڑی اہمیت کا حامل ہوتا ہے اس لیے کہ مملکت کا انتظام و انصرام اسی کے سر ہوتا ہے لہٰذا اوّلاً اس بات کی ضرورت ہے،

کہ ہم جس سربراہ کا انتخاب کر رہے ہیں سوچ لیں اور خوب دیکھ لیں کہ آیا وہ ان صفات سے موصوف ہے جو ایک امیر کے لیے نہایت ہی ضروری ہیں؟ جن کا مختصراً ذکر کیا جاتا ہے۔

۱۔ عاقل:۔ وہ امیر عقل مند ہو، بے وقوف اور مجنون نہ ہو تاکہ عقل و فہم کی روشنی میں ملکی مسائل حل کر سکے اور لوگوں کے مسائل سمجھ کر ان کا حل تلاش کرے۔

۲۔ بالغ:۔ شریعت اسلامیہ نے بچے کی سربراہی کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس لیے کہ بچے میں اتنی صلاحیت اور اہلیت نہیں ہوتی کہ وہ نظام مملکت کو سمجھ سکے اور حکومت چلا سکے۔ مطلب یہ ہے کہ وہ شخص حکومت چلانے کا اہل بھی ہو۔

۳۔ مرد:۔ یعنی وہ امیر مملکت مرد ہو۔ اسلام نے عورت کو سربراہ مملکت بنانے کی اجازت نہیں دی۔ اس کو گھر کی زینت بنایا گیا نہ کہ بازاروں اور سڑکوں کی۔ سربراہ مملکت کے لیے عقل تام کی ضرورت ہوتی ہے۔ عورتیں اس صفت سے بایں معنی عاری ہوتی ہیں کہ وہ ناقص العقل ہوتی ہیں۔ کامل العقل کی موجودگی میں ناقص العقل کی حکومت ناجائز ہے۔ اور پھر یہ کہ اَلرِّجَالُ قَوَّامُوْنَ عَلَى النِّسَاءِ (یعنی مردوں کو عورتوں پر حاکم بنایا گیا ہے) کے بھی خلاف ہے۔ اس لیے کہ جو محکوم ہوتا ہے وہ حاکم نہیں بن سکتا۔ جب کہ اس کے اوپر حاکم موجود ہو۔ بہر حال اس مسئلے کے لیے اچھی خاصی وضاحت چاہیے جو انشاء اللہ پھر کسی وقت پیش خدمت کی جائے گی۔

۴۔ آزاد:۔ یعنی امیر مملکت آزاد ہو، غلام نہ ہو اس لیے کہ غلام مملوک ہوتا ہے۔ وہ مالک نہیں ہوتا لہٰذا امیر مملکت کے لیے حریت یعنی آزادی شرط ہے۔

۵۔ شجاع:۔ امیر مملکت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ صفت شجاعت سے موصوف ہو تاکہ وہ بہادرانہ اور دلیرانہ امور مملکت کی دیکھ بھال کر سکے اور بیرونی اور اندرونی کسی دباؤ سے متاثر نہ ہو۔

۶۔ ذی رائے اور ذی ہوش ہو۔ یعنی وہ امیر مملکت باشعور اور ذی فہم ہونا چاہیے تاکہ وہ جو بات بھی کرے ہوش کی دنیا میں کرے اور وہ ذی رائے بھی ہو تاکہ اس کی جو رائے ہو وہ معقول ہو، اور لا یعنی نہ ہو۔

۷۔ اس کا فہم و فراست، سیاست و امانت اور دیانت، ملک کے عقلاء اور مدبرین کے نزدیک مسلّم ہو۔

امیر سلطنت کے لیے ان امور کا شرط ہونا تمام انبیاء کرام کی شریعتوں اور حکماء عالم کی حکمتوں اور عقلاء عالم کی عقلوں اور فراستوں کے اتفاق سے ثابت ہے۔ ان امور کے ثبوت کے لیے ایک دلیل عقلی بھی ہے۔ وہ یہ کہ لاکھوں اور کروڑوں افراد کا شخص واحد کی امارت پر متفق ہونا تب ہی ممکن ہو گا جب کہ وہ ان صفات سے موصوف ہو اور قیام سلطنت کا مقصد بھی تب ہی حاصل ہو گا جبکہ امیر میں یہ صفات موجود ہوں تاکہ رعایا کے قلوب مطمئن ہوں اور ملک میں امن و امان برقرار رہے۔ تاریخ عالم کی ورق گردانی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ جب بھی کسی ملک کی رعایا امیر مملکت کے خلاف ہو جاتی ہے وہ ملک تباہ و برباد ہو جاتا ہے۔ ملک تب ہی مستحکم رہ سکتا ہے جب رعایا امیر کی مطیع و فرماں بردار ہو۔ اس لیے ایک امیر کو رعایا کے امور اور حقوق کا خیال رکھنا چاہیے۔

شریعت اسلامیہ نے امور مذکورہ کے علاوہ اور بھی چند امور امیر مملکت کے لیے شرط قرار دیے ہیں جن میں اہم تین امور ہیں:۔

۱۔ اسلام:۔ یعنی اسلامی مملکت کا سربراہ مسلمان ہو۔ تاکہ وہ امور مملکت کو اسلامی اصول اور ضوابط کے تحت چلا سکے۔ اگر خود سربراہ مملکت ہی اسلامی تعلیمات سے نابلد اور ناواقف ہو وہ قوانین اسلام کو کیا سمجھے گا؟ جب سمجھے گا نہیں تو قوانین اسلام کی اہمیت واضح

نہیں ہو گا۔ جب اہمیت واضح نہیں ہو گی تو وہ ان کے اجرا اور نفاذ میں جان بوجھ کر لیت و لعل کرے گا۔ میرے خیال ناقص میں ہمارے ملک میں آج تک اسلامی قوانین کے عدم اجراء کی وجوہات میں سے ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جو بھی سربراہ آتا رہا وہ خود بھی اسلامی قوانین اور اس کی خصوصیات سے ناواقف تھا۔

۲۔ علم :۔ پہلی شرط اسلام تھی۔ ساتھ ہی دوسری شرط "علم" اضافہ فرمایا گیا۔ مطلب یہ ہے کہ وہ امیرِ مملکت مسلمان عالم ہو تاکہ وہ علم شریعت کے مطابق ملک میں انتظام و انصرام چلا سکے۔ یاد رہے کہ اسلام کے ساتھ علم شرط لگائی گئی ہے جو اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ وہ امیرِ مملکت علوم اسلامیہ اور علوم شرعیہ کا عالم ہو، نہ کہ کسی مغربی یونیورسٹی کا فارغ ہو۔ وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ اسلام میں ایسے اصول نہیں ہیں جن کے ذریعے حکومت چلائی جائے۔ وہ غلط کہتے ہیں۔ وہ خود اسلامی تعلیمات سے ناواقف ہیں۔ اُن کی بصیرت میں کمزوری ہے۔ ان کے متعلق اس کے سوا اور کیا کہا جا سکتا ہے۔

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم
چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اگر دن میں چمگادڑ کو کچھ نظر نہیں آتا تو اس میں چشمۂ آفتاب کا کیا قصور ہے۔ غرض ایک امیرِ مملکت کے لیے عالم دین ہونا نہایت ہی ضروری ہے تاکہ وہ حدود شرعیہ نفاذ کر سکے۔

۳۔ عدالت :۔ تیسری شرط امیرِ مملکت کے یہ ہے کہ وہ عادل ہو۔ یعنی تابعِ حق ہو تاکہ جو فیصلہ بھی کرے وہ حق کی روشنی میں اور عدل کے ترازو پر تول کر کرے اور وہ امیرِ مملکت حتی الامکان ہوائے نفسانی سے اجتناب کرنے والا ہو۔ اس لیے کہ ظلم و جور ایسی چیزیں ہیں جو حاکم کی تباہی کے مترادف ہیں۔ جیسا کہ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں

نکند جور پیشہ سلطانی
کہ نیاید ز گرگ چوپانی
پادشاہے کہ طرح ظلم فگند
پائے دیوار ملک خویش بکند

خلاصہ اور مفہوم یہ ہے کہ ایک ظالم سے پادشاہت اور حکومت کرنے کی توقع کرنا ایسا ہی ہے کہ جیسے بھیڑیے سے گلہ بانی۔ جب بھی کوئی بادشاہ یا حاکم ظلم کی بنیاد ڈالتا ہے تو وہ اپنے پاؤں پر خود کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔

یہ عدل ہی ایک ایسی صفت ہے جو اسلامی حکومت کے لیے سنگِ میل کی حیثیت رکھتا ہے۔ جب تک کوئی حاکم یا امیر عدل کے ترازو کو پاس رکھتا ہے تو وہ حکومت کرتا رہتا ہے۔ جب اس کو چھوڑ کر ظلم و تشدد کی راہ اختیار کرتا ہے تو اس کو حکومت سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔ بعض بزرگوں کا قول ہے کہ کافر عادل تو حکومت کر سکتا ہے لیکن ظالم مسلمان حکومت نہیں کر سکتا۔ بہر حال ایک امیرِ مملکت کے لیے عادل ہونا انتہائی ضروری ہے۔ ان تینوں شرطوں کا خلاصہ یہ ہوا کہ اسلامی حکومت کا امیر مسلمان، عالم اور عادل ہو۔

یہ بھی یاد رہے کہ مسلمانوں کے امیر کی حیثیت ایک مربی اور سرپرست کی سی ہوتی ہے جو قانونِ شریعت کے ماتحت رعایا کی نگرانی اور تربیت کرتا ہے۔ خود بھی قوانینِ شریعت کا پابند ہوتا ہے۔

غرض! مسلمانانِ پاکستان سے استدعا کی جاتی ہے کہ وہ صحیح انتخاب کریں اور اپنا امیر اس شخص کو بنائیں جو مندرجہ بالا صفات سے موصوف ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمارے ملک کو ایک اسلامی سلطنت بنائے اور ہمیں اسلام کے تحت اپنی زندگیاں بسر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

نوٹ :۔ انشاء العزیز اس مضمون کو بالوضاحت قارئین کی خدمت میں بالاقساط پیش کیا جائے گا۔

بقیہ: اسلام کا اثر

دعوتِ بیداری دیتے ہیں جو کبھی تشنگانِ علوم کے لیے سیرابی کا سرچشمہ تھی اور اب خود تشنہ جان و تشنہ لب ہے۔ وہ قوم جس سے غیروں نے اندازِ جہانبانی سیکھا تھا آج اپنی بے عملی اور جمود کی بنا پر اسیرِ پستی و غلامی ہے۔

فاعتبروا یا اولی الابصار

حکمران کیسے ہونے چاہئیں

مرتبہ :- محمد اسماعیل شجاع آبادی مبلغ مجلس تحفظ ختم نبوت پاکستان رحیم یار خان

محترم قارئین کرام — آج کل چونکہ انتخابات کا زور و شور ہے اور ہر طرف قسم قسم کے وعدے سنائی دیئے جا رہے ہیں۔ تو چند ایام تک کوئی نہ کوئی صاحب برسر اقتدار آ جائے گا تو مناسب کچھ یوں ہی معلوم ہوتا ہے کہ برسر اقتدار آنے والے حضرات کے چند اوصاف بیان کئے جائیں جن کے تحت وہ اسلامی اصولوں سے رہنمائی حاصل کر سکیں۔

سوال :- میرے بعض احباب یہ سوال کرتے ہیں کہ ہمارے حکمرانوں کے گھروں میں چند ایام میں دولت کے انبار کیوں لگ جاتے ہیں جب کہ ان کے منتخب کرنے والے حضرات کو دو وقت کھانا بھی میسر نہیں آتا۔ تو ایسے وقت میں بے اختیار تاریخ کے اس باب کو جسے پڑھ کر خون گردش کرنے لگ جاتا ہے۔ اور سینہ فخر سے تن جاتا ہے کہ میرے مذہب نے اپنے لیے سپوتوں کو بھی جنم دیا جن پر پوری تاریخ فخر کرتی ہے۔ میں اپنے نو منتخب ممبران اسمبلی کو اس باب کا صرف ایک تحفہ پیش کرتا ہوں شاید وہ ان لاتعداد تحائف اور ہدایا میں سے جو انتخاب کی خوشی میں حاصل ہوئے میرے اس ایک ورق کو شرف قبولیت بخشیں۔

مسلمان حکمران اور تحائف

اجتماعی زندگی کو خوشگوار اور باہمی تعلقات کو استوار رکھنے کے لئے مسلمانوں کو اس بات کی بہت تاکید کی گئی ہے کہ وہ عزیز و اقارب اور دوست احباب کو ہدایا اور تحائف دیں اور قبول کریں کیونکہ صاحب خلق عظیم حضرت رسول کریم ارشاد فرماتے ہیں تہادوا تحابوا (او کما قال) کہ ایک دوسرے کو ہدیہ جات دیا لیا کرو کیونکہ اس سے آپس میں محبت پیدا ہوتی ہے لیکن عام مسلمانوں کو جتنی بھی تاکید کی گئی حکمرانوں کو اسی شدت کے ساتھ ہدیئے اور تحفے قبول کرنے سے روکا گیا۔ کیونکہ یہ چیز رشوت دینے اور قبول کرنے میں چور دروازہ کا کام دے سکتی ہے۔ چنانچہ احمد کی

حدیث ہے عن ابی حمید الساعدیؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ھدایا العمال غلول — رواہ احمد

ترجمہ :- حضرت ابو حمید ساعدیؓ سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ نے ارشاد فرمایا کہ عمال کا ہدیہ قبول کرنا خیانت ہے۔

اسی طریقہ سے ایک اور روایت میں ہے من استعملنا علی عمل فرزقنا رزقا فما اخذ بعد ذالک فھو غلول ( ) ابوداؤد

بخاری، مسلم — ابوداؤد تینوں میں یہ روایت ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے قبیلہ ازد پر ایک شخص کو تحصیلدار مقرر فرمایا جن کا اسم گرامی ابو اللبتیہ تھا جب وہ اپنے کام سے فارغ ہو کر واپس تشریف لائے تو انہوں نے حساب دیتے ہوئے کہا کہ یہ بیت المال کا حصہ ہے اور یہ مجھے بطور ہدیہ کے ملا ہے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک خطبہ دیا جس میں حمد و ثنا کے بعد فرمایا کہ اللہ تعالٰی نے جو انتظام میرے سپرد فرمایا ہے اس میں تم میں سے بعض لوگوں کو جب کسی خدمت پر میں مقرر کرتا ہوں تو وہ فارغ ہو کر واپس آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تمہارا یعنی بیت المال کا حصہ ہے۔ اور یہ میرا یعنی مجھے بطور ہدیہ کے ملا ہے۔ اگر وہ اس بات میں سچے ہیں وہ اپنے ماں باپ کے گھر کیوں نہیں بیٹھے رہے کہ وہیں بیٹھے بیٹھے ان کے پاس ہدیے آ جاتے۔ ابن الجوزی رقمطراز ہیں کہ جب ملک آذربیجان کے گورنر ہو کر گئے تو لوگوں نے ان کو کھجوروں اور گھی سے ایک قسم کی مٹھائی تیار کر کے دی جب انہوں نے اس مٹھائی کو چکھا تو لذیذ فرمایا — تو دل میں خیال کیا کہ اس قسم کی مٹھائی تیار کر کے امیر المومنینؓ کی خدمت میں ارسال کی جاوے۔ چنانچہ انہوں نے کافی مقدار میں مٹھائی تیار کروا کر دو آدمیوں کی معیت میں ارسال کی جب قاصد خدمت امیر میں حاضر ہوئے اور گورنر کا سلام اور تحفہ حاضر خدمت کیا تو حضرت الامیر نے کھول کر چکھا اور بہت ہی لذیذ پایا۔ معاً دل میں کچھ خیال پیدا

ہوا۔ اور رنگ متغیر ہو گیا اور فرمانے لگے۔ کہ کیا تمام مسلمان اس قسم کی مٹھائی اپنے گھروں میں کھا سکتے ہیں ؟ نہیں ـــ اور ہرگز نہیں تو پھر تیرے لئے اے عمر رضی اللہ عنہ کیسے جائز ہے کہ تو اسے کھائے ـــ اسی وقت اسے واپس کرنے کا حکم فرمایا اور ساتھ ہی گورنر کو ڈانٹ پلائی کہ لو نہ تو یہ تمہارا حق ہے اور نہ تمہاری ماں کا کہ تم ایسی مٹھائی کھاؤ جو عام مسلمانوں کو میسر نہیں ہو سکتی۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ ـــ ان عظیم ترین اشخاص میں سے ہیں۔ جن پر اسلام نازاں ہے۔ وہ فارس کے فاتحین میں سے ہیں۔ انہوں نے ایک مرتبہ ایک مصلہ بطور ہدیہ روانہ فرمایا جب حضرت گھر تشریف لائے تو اس جا نماز کو دیکھ کر فرمانے لگے کہ یہ کہاں سے آیا ہے بتلایا گیا کہ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ نے تحفہ بھیجا ہے۔ فوراً حاضر ہونے کا حکم دیا اور وہ مصلہ ان کے سر پر دے مارا اور فرمایا خبردار ایسی حرکت مت کرنا (طبقات ابن سعد)

اسی طرح ایک اور گورنر کے متعلق حضرت الامیر عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو کہا گیا کہ وہ تحائف قبول کرتا ہے تو آپ رضی نے اس سے باز پرس فرمائی تو اس نے عذر پیش کیا تو آپ نے فرمایا کہ اگر تو اپنی ماں کے گھر بیٹھا رہتا تو تجھے کتنے تحائف موصول ہوتے اور اس مال کو بیت المال میں داخل فرمایا یہ سب انسداد رشوت کے لئے کیا تا کہ رشوت کا دروازہ نہ کھل جائے۔ کیونکہ رشوت اجتماعی نظام کو درہم برہم کرنے والی چیز ہے کیونکہ جس معاشرہ میں رشوت کا رواج زور پکڑ جائے تو وہاں اہل بصیرت و بصارت لوگوں کا پیدا ہونا محال ہوتا ہے۔ اور اگر کوئی اتفاق سے پیدا بھی ہو جائے تو اس کو رشوت کے سرمہ کے ذریعہ بڑی آسانی سے اندھا کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جس سوسائٹی میں رشوت عام ہو جائے آہستہ آہستہ اس کی باگ دوڑ اندھے راہ دکھلانے والوں کے ہاتھ آجاتی ہے۔ اسلام نے رشوت کی اس ہلاکت انگیزی کی وجہ سے رشوت دینے اور لینے والے دونوں کو مستحق لعنت قرار دیا۔ چنانچہ حضور اکرم نبی مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں :-

عن ابی هريرة رضی اللہ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لعنة اللہ علی الراشی والمرتشی فی الحکم ـــ الحدیث (رواہ احمد وابوداؤد ترمذی)

ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ سرکار مدینہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عدل کے بارہ میں رشوت لینے اور دینے والے دونوں پر خدا کی لعنت ہے۔ اسی طرح ایک اور حدیث میں رشوت دینے اور رشوت لینے والے کے علاوہ رشوت دلانے والے کو بھی لعنت کا مستحق قرار دیا۔ یعنی دلال کو۔ کیونکہ فی الحقیقت اس اجتماعی نظام کے درہم برہم کرنے میں یہ بھی برابر کا شریک ہے۔ عن ثوبان رضی اللہ عنہ قال لعن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

الراشی والمرتشی والرائش یعنی الذی یمشی بینهما۔

(رواہ احمد)

ثوبان سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے رشوت دینے والے اور لینے والے اور رشوت دلانے والے (دلال) پر لعنت فرمائی۔

لیکن بین الاقوامی تعلقات اور روابط کو مستحکم کرنے کے لئے اسلامی حکومت کے امیر کو تحائف کے تبادلہ کی اجازت ہے۔ چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں سلاطین آپ کو تحائف بھیجتے تھے لیکن معمول یہ تھا کہ آپ ان کو مسلمانوں میں تقسیم فرماتے۔ اگر ان میں کوئی چیز پسند آجاتی تو کچھ لے لیتے ورنہ ساری صحابہ کرام میں تقسیم فرما دیتے۔ چنانچہ صحیح بخاری میں روایت ہے کہ آنجناب کے پاس دنیا کی قبائیں آئیں اور آپ نے صحابہ کرام رض میں تقسیم فرما دیں اور ان میں سے ابو المنور رض کو بلا کر بھی ایک دی وغیرہ ذالک

اسلامی حکمران کا دستر خوان

اسد الغابہ میں ایک واقعہ مرقوم ہے کہ مدینہ منورہ کی ایک گلی میں آذربائیجان کے گورنر جناب حضرت عتبہ بن زید گھوم رہے ہیں اور پھر وہ ایک پرانے سے کچے مکان کے دروازہ پر پہنچ کر رک جاتے ہیں اور دروازہ کھٹکھٹاتے ہیں۔ چنانچہ اندر سے ایک جوان نکلتا ہے اور استقبالیہ انداز میں جناب عتبہ کی طرف دیکھتا ہے۔ عتبہ فرماتے ہیں۔ مالک اندر موجود ہیں ؟ غلام جی ہاں ـــ عتبہ انہیں اطلاع دیجئے کہ عتبہ بن زید آیا ہے اور ملنا چاہتا ہے۔ چنانچہ غلام

اندر جاتا ہے اور مالک کو کھانا کھاتے ہوئے دیکھ کر کچھ توقف کے بعد عرض کرتا ہے۔ باہر آذربیجان کے گورنر جناب عتبہ موجود ہیں اور ملاقات کی اجازت چاہتے ہیں۔ چنانچہ آقا فرماتے ہیں۔ عتبہ ... ؟ کیوں آئے ہیں؟ جاؤ انہیں بلا لاؤ۔ عتبہ اندر داخل ہوتے ہیں اور مصافحہ کرکے بیٹھ جاتے ہیں۔ آقا۔ عتبہ قریب ہو جاؤ اور کھانے میں ہاتھ بٹاؤ۔ چنانچہ عتبہ قریب ہو جاتے ہیں اور چند لقمے اٹھاتے ہیں اور نگلنے نہیں پاتے اور ہاتھ کھینچ لیتے ہیں۔ آقا کیا بات ہے۔ عتبہ کھا کیوں نہیں رہے ہو؟ عتبہ اس کو کھانا میرے بس کی بات نہیں مجھے تو تعجب ہے کہ جناب والا اَن چھنے آٹے کی روٹی اور زیتون کے تیل کے ساتھ کیسے تناول فرماتے ہیں؟ صاحب خانہ ہاں بھئی کرنا ہی پڑتا ہے عتبہ امیر لیکن آپ آٹا چھنوا ہی لیا کریں اور کوئی اچھی قسم کا تیل استعمال فرمائیں تو کیا ہی اچھا ہو۔ صاحب خانہ عتبہ مجھے یہ تو بتلاؤ کہ تمام مسلمانوں کو یہ میسر ہے کہ وہ اَن چھنے آٹے کی روٹی اور اچھا تیل استعمال کریں۔ عتبہ یہ تو ممکن ہی نہیں۔ صاحب خانہ جو ایک چیز عام مسلمانوں کو میسر نہ ہو تو میرے لئے کیسے جائز ہو سکتی ہے؟ کیا میں یہ پسند کروں کہ میری تمام نیکیاں زندگی میں ختم ہو جائیں اور آخرت میں میرے پاس کچھ باقی نہ بچے۔ کیا جانتے ہیں کہ یہ شخصیت کون تھی۔ یہ تھے روم و ایران کے فاتح مسلمانوں کے عظیم رہنما جناب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ جن کی سلطنت ایک طرف افریقہ کے آخری کناروں کو چھو رہی تھی۔ اور دوسری طرف ایران و فارس کی حدود پھاند چکی تھی اور اس کا کھانا تھا خشک روٹی اور زیتون کا تیل اور روٹی بھی اَن چھنے آٹے کی۔ (اس زمانہ میں زیتون کے تیل کی قیمت تقریباً ساڑھے چار آنے فی سیر تھی) کیوں ایسا کیا؟ اس لئے کہ رعایا کے ہر فرد کو مرغن غذائیں حاصل نہ تھیں تو ان کا سربراہ کیسے گوارہ کر لیتا کہ قسم قسم کے کھانے کھاتا اور رعایا بھوکی مرے فاعتبروا یا اولی الابصار والالباب)

اسی طرح طبقات ابن سعد میں ایک اور واقعہ منقول ہے کہ آپ رضؓ جب شام کو گھر تشریف لائے تو ایک بہترین قسم کا کھانا تیار تھا تو اٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ فقراء مسلمین کو جو کی روٹی میسر نہ ہو اور ہم بہترین کھانے کھائیں پاس ہی حضرت خالد بن ولید رضؓ تشریف فرما تھے۔ کہنے لگے۔ امیر المومنین انہیں (فقراء) اس فقر کے بدلے جنت مل گئی ... آپ نے یہ سنا تو آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں اور فرمانے لگے کہ وہ فقراء اگر صرف ان کھانوں کی وجہ سے ہم سے بازی لے گئے تو ہمارے گھاٹے میں کیا شک ہے؟ ایضاً ص۸۵

مسلمان حکمرانوں کی سادگی اور تواضع

اسلامی حکمرانوں کی اصل عزت وہ ہے جو انہیں خدا اور دین خدا کی وجہ سے حاصل ہو۔ اور یہی حقیقی عزت ہے۔ اور اسلامی حکمران مصنوعی کروفر سے بالکل محفوظ ہوتے تھے۔ جیسا کہ آج کل مروج ہے۔ مثلاً آداب و کورنش شاہانہ جلوس۔ درباری طمطراق۔ ہٹو بچو کی صدائیں۔ توپوں کی سلامی۔ باڈی گارڈ کی حفاظتیں۔ چنانچہ جب حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو نہ کوئی دربار سجایا گیا۔ اور نہ ہی کوئی جلوس نکالا گیا اور نہ ہی جھنڈیاں لہرائیں گئیں۔ البتہ یہ ضرور ہے کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے چند نصیحتیں فرمائیں جو کہ اوراق تاریخ میں آج تک مرقوم ہیں۔ اور حضرت عمر رضؓ نے ان نصائح پر عمل فرمایا جو کہ اسلامی تاریخ کے طالب علم پر روز روشن کی طرح واضح ہے چنانچہ فرمایا اگر آپ اپنے پیشرو کی طرح جگہ حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ تو قمیض میں پیوند لگا لیجئے تہبند اونچی کیجئے اور بھوک سے کم کھائیے۔ (کتاب الخراج امام ابو یوسفؒ ص۹)

چنانچہ حضرت امیر المومنین عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضؓ کے ان نصائح پر صحیح طریقہ پر عمل فرمایا۔ چنانچہ جب آپ بیت المقدس کے سفر پر روانہ ہوئے تو آپ کے جسم پر جو کپڑا تھا اس میں چودہ پیوند لگے ہوئے تھے جن میں بعض پیوند چمڑے کے تھے (الفاروق عمر ص۲۷۵ مصنفہ محمد حسین ہیکل)

اور حضرت الامام ابن کثیر رحمتہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپ کھدر کی قمیض پہنے ہوئے تھے جو پرانی ہو کر دونوں پہلوؤں سے پھٹ چکی تھی۔ نیز امام ابن کثیر رحمتہ اللہ نے یہ واقعہ بھی نقل فرمایا ہے۔ کہ راستہ میں ایک جگہ پانی عبور کرنا پڑا بلا تکلف اونٹ سے اترے چرمی موزے اتار کر ہاتھ میں لئے اور اونٹ کی نکیل پکڑی اور پانی میں گھس گئے۔ یہ اس شخص کے اپنے مفتوحہ علاقہ سفر کی داستان ہے، جس کی فاتح فوجیں عرب سے نکل کر مشرق میں افغانستان اور چین کی حدود میں شمال میں اناطولیہ اور بحر قزوین تک اور مغرب میں ٹیونس اور جنوب میں ملک حبشہ

تک پہنچ چکی تھیں۔ اور جس نے قیصر وکسریٰ کی شان و شوکت کو خاک میں ملا دیا حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے بھی یہ روش خود بھی اختیار فرمائی اور اپنے عمال اور عوام کو بھی اسی پر قائم رہنے کی تلقین فرماتے رہے۔

اسلامی حکمرانوں کے اوصاف

اب ہم ایک مناسب ترتیب سے ان اوصاف کو پیش کریں گے جو ایک اسلامی حکمران اور مسلمان حاکم میں ہونا ضروری ہے۔ اسلامی حکومت کے عمال کا اصلی فریضہ جو اسلامی نظام کے اندر وزیراعظم سے لے کر ایک ادنیٰ عہدہ دار تک میں ہونا ضروری ہے چنانچہ اس سلسلہ میں ہم حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک والا نامہ پیش کرتے ہیں جو آپ نے حضرت عمرو بن حزم کو اس وقت لکھ کر دیا تھا جب آپ نے ان کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا اس والا نامہ سے اندازہ ہو سکے گا کہ جس طرح اسلامی ریاست کا مقصد یہ ہے کہ اس کی راہنمائی میں معاشرہ کا ارتقاء خدا کی رضا کی طرف ہو اسی طرح اسلامی حکومت کے خلیفہ اور اس کے کارکنوں کا اصل فریضہ یہ ہے کہ وہ اس ارتقاء کے لیڈر ہوں کہ معاشرہ کو ایک طرف تو ان چھوٹی بڑی خرابیوں سے پاک وصاف کریں جو اس ارتقاء میں مزاحم ہو سکتی ہیں۔ اور دوسری طرف ان تمام چھوٹی بڑی اچھائیوں اور نیکیوں کا حکم دیں جو اس ارتقاء میں معاون و ممد ہو سکیں اس وجہ سے حکمران ایک شفیق باپ اور نیک دل معلم کی طرح ان کی غلطیوں اور جہالتوں کے ختم کرنے کے ذمہ دار بھی ہوتے ہیں۔

لہ (والا نامہ بنام حضرت عمرو بن حزم)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم :- یہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہدایت نامہ ہے۔

اے ایمان والو۔ اللہ سے جو تم نے عہد باندھ رکھے ہیں ان کو پورا کرو۔ یہ وہ ہدایات ہیں جو اللہ کے نبی اور رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم کو اس وقت دیں جب ان کو یمن پر گورنر مقرر فرمایا۔ ان کو ہر معاملہ میں خوف خدا کی تلقین فرمائی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے خوف رکھنے والے بندوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ اور حق پر قائم رہنے کی وصیت فرمائی۔ جیسا کہ اللہ نے حکم دیا ہے۔ اور لوگوں کو بھلائی کی خوشخبری اور اسی کا حکم سنا دے۔ اور لوگوں کو قرآن کی تعلیم دے۔ اور ان میں دین کی سمجھ پیدا کرے۔ اور لوگوں کو ناپاکی کی حالت میں قرآن کریم کو ہاتھ لگانے سے روکے۔ اور ان کے حقوق اور ذمہ داریوں سے آگاہ کرے۔ حق کے معاملہ میں لوگوں کے ساتھ نہایت نرمی برتے۔ اور ارتکاب ظلم پر سختی کرے۔ کیونکہ ظلم خداوند قدوس کے نزدیک نہایت ناپسندیدہ ہے۔ اور ظلم سے منع فرمایا ارشاد گرامی ملاحظہ ہو۔ اور لعنۃ اللہ علی الظالمین۔ اور لوگوں کو اعمال صالحہ جنت کی بشارت دے اور دوزخ میں لے جانے والے اعمال سے منع کرے۔ اور دوزخ سے ڈرا دے۔ اور لوگوں کی دلداری کرے۔ یہاں تک کہ لوگ دین کا فہم پیدا کرنے کی طرف مائل ہوں۔ اور لوگوں کو حج کے آداب اور طریقے اور اس فرض کی اہمیت سے آگاہ کرے۔ حج اکبر تو حج اکبر ہی ہے اور حج اصغر عمرہ کے مناسک کو بیان کرے۔

(یہ وصیت نامہ بہت طویل ہے۔ ان نصائح میں سے چند اور نصیحتیں حاضر خدمت ہیں (ناقل) اسی والا نامہ میں ہادی کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے صوبائی عصبیت سے منع فرمایا۔ کہ لوگ قومی و قبائلی نعرہ نہ لگائیں۔ اور اگر کوئی مصر ہو تو اسے تلوار سے سیدھا کرے یہاں تک وہ صوبائی و قبائلی عصبیت سے توبہ کرے ـــ اور اللہ وحدہ لاشریک لہ کے نعرہ پر مجتمع ہوں۔ اور وضو کرنے کا طریقہ۔ اور فرائض و سنن صلوٰۃ سے لوگوں کو آگاہ کرے۔ علاوہ ازیں غنیمت و صدقہ وغیرہ دوسرے مسائل پر کافی تفصیل فرمائی۔ اختصار مضمون کے تحت نظر انداز کیا جاتا ہے) اور حکمرانوں کے اوصاف میں سے ایک وصف بے لاگ عدل و انصاف ہے جو کہ اسلام کی ریڑھ کی ہڈی اور مقصد وجود ہے۔ اسی لئے حکمرانوں پر ضروری ہے کہ وہ بغیر خوف لومۃ لائم اور بلا رعایت عدل و انصاف کریں۔ چنانچہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے۔ اگر محمد (صلعم) کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو اس کا بھی ہاتھ کاٹا جاتا۔ اور

(باقی صـ ۲۸ پر)

لہ (یہ والا نامہ تاریخ ابن ہشام مطبوعہ مصر صـ ۲۴۱ ج ۴ پر بالتفصیل ملاحظہ فرمائیں)

گذشتہ سے پیوستہ

اسلام اور آدابِ معاشرت

سید ابو بکر غزنوی مرحوم

کھانے پینے کے آداب

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:
"اگر آپ اکٹھے بیٹھ کر کھائیں تو کسی شخص کو نہ چاہیے کہ وہ دو دو چھوہارے اکٹھے کھائے جب تک اپنے ساتھیوں سے اجازت نہ لے لے"

مجھے جلسوں اور کانفرنسوں میں جانے کا اتفاق ہوتا ہے۔ یہ دیکھ کر دکھ ہوتا ہے کہ علماء اس تہذیب اور شائستگی سے یکسر تہی دامن ہیں۔ جو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے انہیں سکھائی تھی۔ بڑے بڑے مولویوں کو دیکھا ہے کہ دسترخوان پر بیٹھے ہوں اور ملازم ڈونگے میں سالن لائے تو تمام سالن اپنی قاب میں نہایت چابکدستی سے اُلٹ لیتے ہیں . . . . . دن دہاڑے . . . . سب ساتھیوں کے علی الرغم۔ اور سمجھتے ہیں کہ دین سے آداب کا کوئی تعلق نہیں ہے اور دین محض تسبیح آرائی ہی کا نام ہے۔ وہ نہیں سمجھتے کہ ان آداب کو نظر انداز کرنا صریحاً بے دینی ہے۔

آپ نے فرمایا۔ كُلْ مِمَّا يَلِيكَ (متفق علیہ)
(کھانے میں سے وہ کھاؤ جو تمہارے قریب ہے)

بعض لوگ دوسروں کے سامنے سے ہاتھ بڑھا کر جھپٹ لیتے ہیں۔ یہ نفس پر حرص و طمع کے غلبے کی دلیل ہے۔

بعض جاہل صوفیا کو دیکھا ہے کہ دسترخوان پر چند لقمے کھا کر پیچھے ہٹ بیٹھتے ہیں اور انہیں یہ زعم ہوتا ہے کہ یہ پارسائی کا تقاضا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا:۔
"جب دسترخوان بچھا دیا جائے تو کسی آدمی کے لیے جائز نہیں کہ دسترخوان اٹھانے سے پہلے ہی اٹھ کھڑا ہو اور نہ کسی کو اپنا ہاتھ کھینچنا چاہیے اگرچہ وہ سیر ہو گیا ہو"

اور اس کی علت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ بتائی کہ اِنَّ ذَالِكَ يُخْجِلُ جَلِيْسَهُ۔ اس بات سے اس کے ہمنشین کو خجالت ہوگی۔ اسے خیال ہوگا کہ شاید میں بسیار خوری کا ارتکاب کر رہا ہوں وہ بھی اپنا ہاتھ سکیڑ لے گا اور ہو سکتا ہے کہ اسے کھانے کی حاجت ابھی باقی ہو۔ (ابن ماجہ)

اس حدیث سے یہ بات واضح ہوئی کہ وہ لقمے جو ہم سیر ہونے کے بعد اپنے ساتھیوں کے پاس خاطر سے کھاتے ہیں ان میں سے ہر ہر لقمے پر بھی اجر اور ثواب مرتب ہوتا ہے۔

بعض مہمان دھرنا مار کر بیٹھ رہتے ہیں اور اتنا لمبا قیام کرتے ہیں کہ صاحب خانہ ملول ہونے لگتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اسے غیر اسلامی حرکت قرار دیا ہے۔ آپؐ نے فرمایا "اَلضِّيَافَةُ ثَلٰثَةُ اَيَّامٍ" مہمان کو قیام کا حق تین روز ہے۔

وَلَا يَحِلُّ لَهُ اَنْ يَثْوِيَ عِنْدَهُ حَتّٰى يُحْرِجَهُ (متفق علیہ)
(اور کسی کے لیے جائز نہیں کہ وہ میزبان کے ہاں اتنا قیام کرے کہ وہ تنگ آ جائے)

آپ نے غور کیا کہ محفل میں بیٹھ کر سرگوشیاں کرنا اسلام نے اس لیے مذموم قرار دیا کہ اس سے مسلمان بھائیوں کو رنجش ہوتی ہے اور کھانے سے ہاتھ کھینچنے کو اس لیے ناجائز قرار دیا کہ اس سے ساتھیوں کو خجالت ہوتی ہے اور لمبے قیام کو اس لیے ممنوع قرار دیا کہ صاحبِ خانہ کا دل تنگ نہ آ جائے۔

ان آیات اور احادیث کی روشنی میں یہ بات واضح ہوئی کہ اسلام نے آدابِ معاشرت کے خطوط اس اصول کی

[illegible] میں متعین کیے ہیں کہ کسی شخص کی کوئی حرکت دوسرے شخص کے لیے اذیت، رنجش، خفت، گرانی، تکدر، انقباض، خجالت، تشویش، توحش یا کسی اور ناگواری کا باعث نہ ہو۔

عزیزانِ گرامی قدر! یہ خیال نہ کیجیے کہ جیسے ایک خطیب تخیل کی رفتار سست ہونے کی وجہ سے مترادف لفظوں کی بھرمار کرتا ہے میں نے متعدد ہم معنی لفظ بول دیے ہیں۔ میں ان میں سے ہر لفظ ایک جدا مفہوم ادا کرنے کے لیے بول رہا ہوں۔ آپ نے دیکھا کہ تہذیب و شائستگی کی کیسی لطافتیں اور باریکیاں اسلام نے ہمیں سمجھائی ہیں۔

ہزار نکتۂ باریک تر ز مو ایں جاست

یہی معنی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس ارشادِ گرامی کا:

اَلْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِّسَانِهٖ وَيَدِهٖ (بخاری)

(صحیح معنوں میں مسلمان تو وہی ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں)

اگر آپ ان ناگواریوں میں سے کسی ناگواری کا باعث ہوتے ہیں تو مسلمان آپ سے محفوظ اور سلامت نہیں ہیں۔

سنن نسائی میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ شبِ برات کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام بستر سے اس خیال سے کہ حضرت عائشہؓ کی نیند میں خلل نہ پڑے۔ آہستہ اٹھے، نعل مبارک آہستہ پہنا کہ اس کی آواز نہ ہو، کواڑ آہستہ سے کھولا، باہر آہستہ سے تشریف لے گئے اور کواڑ آہستہ سے بند کیا۔

سونے والے کی کس قدر رعایت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں سکھائی کہ کوئی ایسی حرکت نہ کی جائے جس سے سونے والا دفعتاً جاگ اٹھے اور پریشان ہو۔ دیکھیے، یہ تہذیب و ثقافت کی کیسی تابناک روایات ہیں جو ہمارے حصے میں آئی ہیں۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے موقوفاً حضرت انسؓ سے مرفوعاً اور حضرت سعید بن مسیبؓ سے مرسلاً مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ عیادت کے لیے جائیے تو بیمار کے پاس زیادہ دیر نہ بیٹھیے۔ تھوڑی دیر بیٹھ کر اٹھ جائیے۔

آپ غور کیجیے کہ اس حدیث میں کس قدر دقیق رعایت ہے اس بات کی کہ کوئی کسی کی گرانی کا سبب نہ بنے۔ مریض کے پاس زیادہ دیر بیٹھنے کی اس لیے ممانعت فرما دی کہ آپ جب تک مریض کے پاس بیٹھے رہیں گے۔ اسے آپ کی طرف متوجہ رہنا پڑے گا اور آپ سے بات چیت کرنی پڑے گی۔ زیادہ گفتگو سے بیمار مضمحل ہوتا ہے۔ بعض عیادت کرنے والے ایسے ہوتے ہیں کہ ان کی موجودگی میں مریض کروٹ بدلنے میں اور پاؤں پھیلانے میں حجاب محسوس کرتا ہے۔

اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کا ارشاد ہے:۔

مَنْ اَكَلَ ثُوْمًا اَوْ بَصَلًا فَلْيَعْتَزِلْنَا (متفق علیہ)

(جو کچا لہسن یا پیاز کھائے وہ ہم سے الگ رہے یعنی مجلس میں نہ بیٹھے)

دیکھیے اس خیال سے کہ پیاز کی بو سے اہل مجلس کی طبیعت مکدر ہوگی۔ پیاز کھانے والے کو مجلس سے باز رہنے کی تلقین فرمائی۔

میں نے جو آیات اور احادیث آپ کو سنائی ہیں ان کی روشنی میں فقہائے کرام نے بہت سی تفصیلات مرتب کی ہیں۔ ان میں سے بعض عرض کیے دیتا ہوں۔

۱۔ اگر کسی کے ہاں آپ مہمان ٹھہریں اور آپ کھانا کھا چکے ہوں تو دسترخوان بچھ جانے پر یہ اطلاع دینا کہ کھانا کھا چکا ہوں مذموم ہے۔ میزبان انتظام کی زحمت اٹھاتا ہے۔ اسے احساس ہوتا ہے کہ اس کا اہتمام اور طعام دونوں اکارت گئے۔

۲۔ اگر کوئی صاحب بیمار ہوں اور پرہیزانہ کھاتے ہوں تو دسترخوان بچھ جانے کے بعد ناک چڑھانا اور نخرے بگھارنا اور یہ کہنا کہ میں تو پرہیزانہ کھاتا ہوں، میزبان کے لیے خجالت کا باعث ہوتا ہے۔ آپ کسی کے ہاں مہمان ٹھہریں تو جاتے ہی صاحبِ خانہ کو بتا دیجیے کہ آپ پرہیزانہ کھاتے ہیں۔

۳۔ بعض لوگ کسی کے ہاں ٹھہرتے ہیں تو دھڑلے

سے اوروں کو بھی دسترخوان کی طرف بلاتے ہیں۔ مہمان کو یہ حق نہیں پہنچتا۔ کہ وہ اوروں کو دعوت دیتا پھرے اسے کیا خبر کہ گھر میں کھانا کتنا ہے؟ پھر اسے اس بات کا استحقاق بھی تو نہیں۔ یہ غیر متعلق بات میں دخل دینا ہے۔ مجھے ذاتی طور پر اس کا تلخ تجربہ ہے۔

میری ایک عزیزہ سفر پر جا رہی تھی بہت سے قرابت دار اسے خیرباد کہنے کے لیے میرے ہاں آئے ہوئے تھے۔ میں نے عزیزہ سے کہا کہ تم کھانا کھا لو، گاڑی کا وقت ہوا چاہتا ہے۔ ایک بڑی بوڑھی خاتون نے اعلان کر دیا کہ ہم کھانا کھانے لگے ہیں جو شریک ہونا چاہتا ہے ساتھ والے کمرے میں آجائے۔ کمرہ کھچا کھچ۔ سارے گھر کا کھانا دسترخوان پر لانا پڑا۔ عزیزہ کے لیے جو زادِ سفر تیار کیا تھا وہ بھی لایا گیا۔ سب کے حصے دو دو لقمے آئے سب شرمندہ ہوئے۔

۴۔ بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے کہ کوئی شخص کسی کے ہاں مدعو ہو تو کہتے ہیں کہ ہمارے بھی ان سے مراسم ہیں چلیے ہم بھی ساتھ چلتے ہیں۔ ان سے مل کر دسترخوان بچھنے سے پہلے ہی لوٹ آئیں گے۔ یہ عادت بھی مذموم ہے اور صاحب خانہ کے لیے باعث تشویش ہے اگر صاحبِ خانہ بٹھالے تو ان کے لیے یکایک کھانا مہیا کرنے کی تکلیف ہوتی ہے اور کبھی تو سالنوں میں پانی انڈیلنا پڑتا ہے۔ اگر صاحب خانہ رخصت کر دے تو اسے شرمندگی اور خجالت ہوتی ہے اور اسلامی نقطۂ نظر سے دوسروں کے لیے اذیت کا باعث ہونا یا خجالت کا باعث ہونا یکساں مذموم اور ممنوع ہے۔

حضرات! میں نے آپ کو سلام، مصافحہ اور معانقہ کے آداب بتائے۔ یاد رکھیے کہ سلام، مصافحہ اور ان تمام آداب کا مقصد دوسروں کا جی خوش کرنا اور انہیں راحت پہنچانا ہے۔ جب علت ساقط ہو جاتی ہے تو معلول بھی ساقط ہو جاتا ہے۔ اگر مصافحے اور معانقے سے کسی وقت دوسرے کو اذیت ہو تو شائستگی کا تقاضا یہی ہے کہ آپ ایسے وقت میں مصافحے اور معانقے سے اجتناب کیجیے مثلاً :-

۱۔ اگر کسی آدمی کا ہاتھ زخمی ہے تو اسے مصافحہ کی زحمت نہ دیجیے۔

۲۔ اسی طرح اگر کوئی آدمی نہایت تیزی سے قدم اٹھا رہا ہے اور اس کی رفتار کی تیزی صاف بول رہی ہے کہ اس کی گاڑی چھوٹنے والی ہے یا اسے دفتر پہنچنے میں دیر ہو گئی ہے تو ایسی صورت میں اسے مصافحے کے لیے ٹھہرانا اذیت کا باعث ہے۔ لہٰذا اسلامی نقطۂ نظر سے ناقابل تحسین ہے۔

۳۔ کسی مجلس میں اگر پچاس آدمی بیٹھے کسی مسئلے پر غور کر رہے ہوں اور آپ دیر سے آئے ہیں تو تہذیب کا تقاضا یہی ہے کہ آپ محض سلام پر اکتفا کیجیے۔ پچاس آدمیوں سے جدا جدا مصافحہ کرنا، سلسلہ گفتگو کاٹنا اور دیر تک اس میں خلل ڈالنا اہل مجلس کے لیے گرانی اور تکدر کا باعث ہوتا ہے اور آپ کو اذیت پیدا ہوتی۔

۴۔ اسی طرح بعض لوگوں کو ہر وقت اور ہر جگہ معانقے کرنے کی عادت ہوتی ہے۔ بیمار، ضعیف، ناتواں اور نازک مزاج لوگوں کو اس سے اذیت ہوتی ہے معانقہ اسی وقت درست ہے جب تک کہ وہ راحت اور آرام کا باعث ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں تہذیب و شائستگی کی یہ لطافتیں اور باریکیاں سکھائیں وہاں ساتھ ہی یہ بھی فرما دیا۔

اَلْمُؤْمِنُ الَّذِیْ یُخَالِطُ النَّاسَ وَیَصْبِرُ عَلٰی اَذَاهُمْ خَیْرٌ مِّنَ الَّذِیْ لَا یُخَالِطُ النَّاسَ وَلَا یَصْبِرُ عَلٰی اَذَاهُمْ۔ (الترمذی)

(وہ مومن جو لوگوں سے میل ملاپ رکھتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر اور تحمل سے کام لیتا ہے اس مومن سے بہتر ہے جو لوگوں سے میل ملاپ نہیں رکھتا ہے اور ان کی ایذا پر صبر اور تحمل سے کام نہیں لیتا ہے)

انسان کے عقائد و عبادات میں خلل پیدا ہو تو یہ بات میں انسان کا ذاتی نقصان ہے اور آداب معاشرت میں کوتاہی ہو تو دوسروں کو ضرر پہنچتا ہے اور دوسروں کو ضرر پہنچانا اپنے آپ کو ضرر پہنچانے

آخر کچھ بات تو ہے کہ سورہ فرقان میں جہاں اللہ نے اپنے نیک بندوں کے اوصاف بیان کئے حسن معاشرت کا ذکر ان کی تہجد گذاری اور شب زندہ داری کے ذکر سے مقدم رکھا۔

وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِيْنَ يَمْشُوْنَ عَلَى الْاَرْضِ هَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَهُمُ الْجٰهِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا۔ وَالَّذِيْنَ يَبِيْتُوْنَ لِرَبِّهِمْ سُجَّدًا وَّقِيَامًا۔
(الفرقان ۶۳: ۶۴)

(اور رحمان کے بندے جو زمین پر تواضع سے چلتے ہیں اور بے سمجھ لوگ جب ان سے بات کرتے ہیں تو وہ سلامتی اور آشتی کی بات کہتے ہیں اور ان کی راتیں اپنے رب کے حضور بسر ہوتی ہیں۔ کبھی سجدے کی حالت میں اور کبھی قیام کے عالم میں)

اسلام نے جو آداب معاشرت ہمیں سکھائے ہیں میں نے ان کا ایک اجمالی سا خاکہ آپ کے سامنے رکھا ہے۔

دوستو! میرا یہ ایمان ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کائنات کے سب سے مہذب اور متمدن انسان تھے۔ وہ تہذیب و ثقافت جو انہوں نے ہمیں بخشی ہے اس قدر جامع اور ہمہ گیر ہے کہ وہ ہر مقام اور ہر زمانے میں زندہ اور باقی رہنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ زمانے کی لنبان کو کتنی آگے بڑھ جائے دنیا کی مہذب اور متمدن قومیں اس سے بہتر تہذیب و ثقافت کو جنم دینے سے عاجز رہیں گی۔

عزیزو! انگریز یہاں سے رخصت ہوا اور تمہارے جسموں پر اس کی حکمرانی شاید باقی نہ رہی ہو لیکن تمہارے ذہنوں پر وہ اب بھی چھایا ہوا ہے اور تمہارے دلوں پر وہ ابھی تک براجمان ہے۔

یہ کیسا احساس کمتری ہے، یہ کیسی رُلا دینے والی بدبختی ہے۔ یہ کیسا ہنگامۂ زبونیٔ ہمت ہے کہ تمہارے اپنے گھر میں ثقافت اور تہذیب کے یہ لعل و جواہر ہیں اور تم غیروں کے خذف ریزوں پر للچائی ہوئی نظر ڈالتے ہو؟

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى سَيِّدِ الْمُرْسَلِيْنَ

بقیہ: حکمران کیسے ہونے چاہئیں

انہی اوصاف میں سے ایک وصف نرمی و بردباری و فیاضی بھی ہے جو کہ مسلمان حکمران کے لئے نہایت ضروری ہے۔ اور نکتہ چینی پر حوصلہ افزائی اسلامی حکومت کے امراء اور عمال کے لئے نہایت ضروری ہے۔ تاکہ ایک دوسرے کی غلطیوں اور کمزوریوں پر تنبیہ ہو سکے۔ اور رعایا کی خیرخواہی اور ان کے حال پر شفقت اسلامی حکومت کا اولین فرض ہے، جہالت اور طیش مزاجی سے احتراز نہایت لازمی ہے۔ چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا۔ تمہارے اوپر ہمارا حق یہ ہے کہ تم پیٹھ پیچھے ہماری خیرخواہی کرو اور بھلائی کے کاموں میں ہماری امداد کرو۔ علامہ ابن قیم رحمۃ اللہ نے زاد المعاد میں آیت خذ العفو وأمر بالعرف واعرض عن الجاہلین کے اسرار و رموز پر بحث کرتے ہوئے لکھا ہے۔ اس آیت میں حکمرانوں کے تمام اچھے اوصاف اور مکارم اخلاق جمع کر دیئے گئے ہیں۔ چنانچہ ایک حکمران کو اس کی رعایا کے متعلق تین حالتیں پیش آ سکتی ہیں ایک تو اس کا وہ حق ہے جو ان پر عائد ہوتا ہے۔ اور جو لازماً ان کو ادا کرنا ہے۔ اور دوسرے وہ حکم ہے جو اس کو دینا ہے اور تیسرے عزیزہ کوتاہی ہے جو رعایا سے صادر ہو سکتی ہے۔ چنانچہ پہلے کے بارے میں (آیت مذکورہ بالا میں) ان کو حکم دیا کہ جو کچھ رعایا بآسانی اور رضا و رغبت سے ادا کرے وہ قبول کرے۔ عفو کے لفظ سے مراد یہ ہے کہ جسے عقل سلیم و طبع مستقیم تسلیم کرتی ہے اور جس کے نافع ہونے پر رعایا کو اطمینان ہے تو فرمایا کہ جب اس کا حکم دے تو انداز حکم معروف ہو۔ یعنی سختی و درشتی کا انداز نہ ہو۔ اور جو لوگ جہالت و بدتمیزی سے پیش آئیں ان کے شر کا جواب شر سے دینے کی بجائے چشم پوشی سے کام لے۔ وغیرہ ذالک اور بھی کئی اوصاف جمیلہ ہیں ان کو کسی اور موقع پر حاضر خدمت کیا جائے گا۔ وما علینا الا البلاغ المبین وما توفیقی الا باللہ العظیم۔

شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

(۱۷۸۱ ـــ ۱۸۳۱)

دلی کے گلی کوچوں میں، میلوں ٹھیلوں میں، مجمع اور بازاروں میں ایک شخص بے دھڑک پہنچ جاتا۔ لوگوں کو دین کی سیدھی سادی باتیں بتاتا۔ انہیں بُری رسموں سے روکتا۔ اچھے اور نیک کام کی نصیحت کرتا۔

اس شخص کی باتوں میں بڑا اثر تھا۔ لوگ اس کے چاروں طرف جمع ہو جاتے۔ بڑے شوق سے اس کا وعظ سنتے اور اپنی بُری عادتوں پر شرمندہ بھی ہوتے۔

مگر کچھ لوگ ایسے بھی تھے، جو بُرے رسم و رواج کے عادی تھے۔ وہ اس شخص کی باتیں پسند نہیں کرتے۔ اس کا وعظ انہیں ذرا بھی نہیں بھاتا۔ یہ لوگ اسے تقریر کرنے سے منع کرتے مگر وہ بھلا کب رکنے والا تھا۔ وعظ و نصیحت کا سلسلہ جاری رہا۔

جب مخالفوں نے دیکھا کہ یہ شخص ہماری رسموں، ہماری عادتوں کو بُرا کہے چلا جا رہا ہے تو دشمنی پر اُتر آئے۔ آپس میں مشورہ کیا کہ اسے قتل ہی کرا دیں۔ نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ چند نوجوانوں کو انعام کا لالچ دیا گیا۔ وہ اس کام کے لیے تیار ہو گئے اور لگے موقع تلاش کرنے۔

گرمیوں کی ایک تپتی ہوئی دوپہر تھی۔ یہ شخص فتح پوری مسجد کے صحن میں اکیلا ٹہل رہا تھا۔ آس پاس کوئی بھی نہ تھا۔ دشمنوں کو موقع اچھا ملا۔ وہ وہاں پہنچ گئے۔ مسجد کے باہر جوتے اتارے۔ ننگے پاؤں فرش پر چلے۔ دو چار ہی قدم گئے تھے کہ تپتے ہوئے فرش سے ان کے پاؤں جلنے لگے۔ وہ آگے نہ بڑھ سکے۔ انہیں خیال آیا کہ یہ شخص کس ہمت کا ہے جو ننگے پاؤں نہایت اطمینان سے اس جلتے ہوئے فرش پر چل رہا ہے۔ وہ اس شخص کی ہمت اور بہادری سے بہت متاثر ہوئے۔ اپنے ارادے سے باز آئے اور اس کے سچے ساتھی بن گئے ـــــ یہ شخص مولانا اسمٰعیل تھے، شاہ ولی اللہ کے پوتے، شاہ عبدالغنی کے بیٹے، شاہ عبدالعزیز کے بھتیجے!

شاہ ولی اللہ کے خاندان کا ہر شخص علم کا ایک سمندر تھا، قرآن اور حدیث سے خوب واقف۔ عربی اور فارسی زبان میں ماہر، تقریر کے فن میں اُستاد، لیکن یہ سب لوگ مدرسے کے اندر رہ کر دین کی خدمت انجام دے رہے تھے۔ میدانِ عمل میں اترنا کسی کو نصیب نہیں ہوا تھا۔ البتہ شاہ اسماعیل اس خاندان کے پہلے شخص تھے جنھوں نے علم کے ساتھ ساتھ جہاد کو فوقیت دی۔

انھوں نے دستور کے مطابق جب اپنی تعلیم مکمل کر لی تو ورزشی کاموں کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس زمانے میں مرزا رحمت اللہ بیگ پٹا اور گتکا کے ماہر مانے جاتے تھے۔ مغل شہزادے بھی ان کے شاگرد بننے کے خواہش مند رہتے تھے۔ ان ہی مرزا رحمت اللہ سے شاہ اسماعیل نے بنوٹ کا فن سیکھا۔ گھوڑ سواری مشہور چابک سوار میاں رحیم بخش سے سیکھی۔

پھر انہیں کسرت کرنے کا شوق ہوا۔ گھر کے پاس ہی ایک اکھاڑا قائم کیا۔ دن رات اس کام میں لگے رہے حتیٰ کہ اس میں بھی مہارت حاصل کر لی۔ تیراکی کا خیال آیا تو مہینوں جمنا ندی میں ڈبکی لگاتے رہے۔ اس فن میں اتنا کمال حاصل ہو گیا کہ دہلی سے آگرے تک تیرتے ہوئے جاتے۔

تیراکی سیکھنے کے زمانے میں انھوں نے طلبا کو پڑھانا بھی شروع کر دیا تھا۔ شاگرد کتاب لے کر جمنا کے کنارے پہنچ جاتے۔ شاہ اسمٰعیل تیرتے ہوئے آتے۔ سبق سناتے اور پھر پانی میں ڈبکی لگا لیتے۔

انھوں نے تپتی ہوئی زمین پر ننگے پاؤں چلنے کی

مشق بھی کی تھی۔ وہ فتحپوری مسجد کے صحن میں ٹھیک دوپہر کے وقت بھی کئی گھنٹے چلتے رہتے۔ اسی دوران قتل والا واقعہ پیش آیا تھا۔

شاہ اسمٰعیل نے بندوق چلانا بھی سیکھا۔ نشانہ بازی میں اتنی مہارت ہو گئی کہ اُڑتی ہوئی چڑیا کا بچ نکلنا مشکل تھا۔ خود کہا کرتے تھے:

"نا ممکن ہے کہ جانور میرے سامنے آئے اور وہ زندہ بچ نکلے۔"

تیراکی، گھوڑ سواری، نشانہ بازی اور دوسری مشقوں نے شاہ اسماعیل میں بلا کی بہادری، پھرتی اور جفاکشی پیدا کر دی تھی۔ محنت کرنے کی صلاحیت آگے چل کر خوب کام آئی۔

۱۸۱۹ء میں سید احمد فوجی تربیت حاصل کر کے واپس آئے۔ شاہ عبدالعزیز ان سے جہاد کا جو کام لینا چاہتے تھے اس میں خود بڑھاپے کی وجہ سے شریک نہیں ہو سکے۔ البتہ شاہ اسماعیل کو ان کے حوالے کر دیا۔ جب عوام میں جہاد کا جذبہ پیدا کرنے کے لیے سید احمد کا قافلہ انقلابی دورے پر روانہ ہوا تو شاہ اسماعیل ایک فرماں بردار شاگرد کی حیثیت سے ان کے ساتھ ساتھ تھے۔

انہیں دہلی سے لے کر کلکتہ تک کا طویل سفر کرنا پڑا۔ وہ شہروں میں مارے مارے پھرے۔ گاؤں گاؤں کا چکر لگایا۔ مگر ان کی ہمت پست نہیں ہوئی۔ وہ ہر جگہ چاق و چوبند نظر آئے۔

وہ سید احمد کے ساتھ ایک مقصد سے روانہ ہوئے تھے اور وہ تھا آزادی کی تحریک پیدا کرنا۔ شاہ اسماعیل شروع ہی سے تقریر کے فن میں مہارت رکھتے تھے۔ اس مہم میں ان کا یہ فن خوب کام آیا۔ انہوں نے اپنی تقریروں سے سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کیا۔ ان کے دل سے مایوسی دور کی۔ ان کی باتوں کا ہی اثر تھا کہ عوام سید احمد کے گرد جمع ہونے لگے۔ مجاہدوں کا کارواں مضبوط سے مضبوط تر ہوتا چلا گیا۔

اس انقلابی دورے کا تذکرہ کرتے ہوئے مشہور مؤرخ سید سلیمان ندوی لکھتے ہیں:-

"ہمارے ملک میں جہاد کی آواز گونج اٹھی۔ ہمالہ کی چوٹی سے بنگال کی وادی تک مسلمانوں کا دل آزادی کے جذبے سے پُر ہو گیا۔ لوگ مجاہدوں کے جھنڈے کے نیچے جمع ہونے لگے۔ شراب کے پیالے توڑ ڈالے گئے۔ عیش و عشرت کے دروازے بند کر دیے گئے۔ فوج میں بھرتی ہونے کے لیے علماء اپنے حجروں سے اور اُمراء اپنے محلوں سے باہر نکل آئے۔ غربت، مجبوری اور سیاسی ابتری کے باوجود مسلمانوں میں جوش و خروش پیدا ہو گیا۔"

شاہ اسماعیل کی تقریر کا جب کام ختم ہوا تو جنگ کی آزمائش شروع ہو گئی اور وہ اس امتحان میں پیچھے نہیں رہے۔ سید احمد کے ساتھ انہوں نے پشاور کا سفر کیا اور سکھوں سے باضابطہ جنگ کی۔ بالآخر بالاکوٹ کے مقام پر شہید ہوئے۔

شاہ اسماعیل ایک علمی خاندان کے فرد ہی نہ تھے۔ خود بھی بڑے پائے کے عالم تھے۔ انہوں نے عام مسلمانوں کو دین کی تعلیم سے آگاہ کرنے کے لیے نہایت آسان اُردو میں "تقویۃ الایمان" لکھی۔ اس کتاب نے پورے ملک میں تہلکہ مچا دیا۔ ان کے وعظ میں مولوی امام بخش صہبائی، مولانا عبداللہ خاں اور مفتی صدر الدین جیسی شخصیتیں شریک ہوتی تھیں۔

شاہ اسماعیل کا علم اس قدر وسیع تھا کہ شاہ عبدالعزیز کے لکھے ہوئے فتوے پر بھی اصلاح کر دیا کرتے تھے۔ اس پر چچا خوش ہو کر کہتے:-

"الحمد للہ ابھی ہمارے خاندان میں علم باقی ہے۔"

ایک موقع پر شاہ عبدالعزیز ان کے علم کا اعتراف یوں کرتے ہیں:-

"اسماعیل کا علم محدود نہیں۔"

لیکن جب آزادی کا مسئلہ سامنے آیا۔ جہاد کی تحریک اٹھی تو یہی شاہ اسماعیل سید احمد کے ایک معمولی شاگرد بن گئے اور ایک فرماں بردار کی طرح ان کے پیچھے ہو لیے۔ ان کا ہر حکم بجا لائے۔ ان کی فوجی قیادت میں اپنے علمی مرتبے کو بھلا رکھے، اور تحریک کی کامیابی پر کہا تو یہ کہا:-

"میرا کوئی کمال نہیں۔"

بقیہ : شذرہ

دوسرے سرکاری امیدواروں نے ہر بدمعاشی اور غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا لیکن آنجناب "ٹھوس ثبوت" تلاش کر رہے ہیں ؟

آج وہ کہتے ہیں کہ یہ انتظامیہ کا قصہ ہے۔ ان پہ میرا کنٹرول نہ تھا۔ سوال یہ ہے کہ بغیر کسی اختیار کے آپ نے یہ ذمہ داری کیوں قبول کی ؟

آپ کی بے بسی کا یہ عالم ہے کہ آپ پی این اے کو انتخابی نشان دینے کے لیے "ملاء اعلیٰ" سے رجوع کرتے ہیں، اپنے طور پہ تحقیقات کے لیے بے بس ہیں۔ اوپر سے اختیارات لیتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ بیانات کے ذریعہ قوم کو تھپکیاں دیتے ہیں۔

جناب جان ! کیا قومی اسمبلی کے نتائج آپ تک پہنچ گئے تھے یا اس کے بغیر ہی اعلان ہوئے ؟ اور صوبائی اسمبلیوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے جہاں تاچپوشی کا چکر جاری ہے۔

بزرگوارم ! آپ یقین کریں کہ آپ کی کمزوری اور محض ایک عہدہ سے چمٹے رہنے کی خواہش نے پوری قوم کو رسوا کیا۔ لوگوں کا اعتماد "بیلٹ" کے معاملہ میں مجروح ہوا اور پوری قوم آپ کی وجہ سے مسلسل ابتلاء کا شکار ہے۔ اگر آپ انتخابات کالعدم قرار دے کر نئے انتخابات نہیں کرا سکتے تو کم از کم مستعفی تو ہو جائیں تاکہ دنیا پر ثابت ہو جائے کہ یہاں انتخاب نہیں ہوا بلکہ ڈراما رچایا گیا ہے۔

لیکن اگر آپ نے بیانات اور پریس کانفرنسوں کے ذریعہ قوم کو تھپکیاں دے کر سلانے کی کوشش کی۔ تو یقین کریں کہ قوم سوئے گی نہیں اور مستقبل میں جو نتائج ہوں گے ان سے جہاں آپ کے آقا محفوظ نہیں رہیں گے وہاں آپ کے لیے بھی محفوظ رہنا مشکل ہو گا۔

اللہ رب العزت آپ کو صحیح فیصلہ کی توفیق دے۔

علوی
۸ر اپریل ۷۷ء

کاش کوئی سبق حاصل کرے ؟

مشہور نہرو خاندان کی بیٹی اندرا گاندھی کا الیکشن کے بعد جو پہلا اخباری انٹرویو سامنے آیا ہے اس میں انہوں نے کہا کہ

"وہ فی الحال کسی حلقہ سے انتخاب لڑنے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتیں، نہ ہی پارٹی میں کسی عہدہ کی خواہش مند ہیں۔

آگے چل کر جو بات انہوں نے کہی اور جس طرف ہمیں توجہ دلائی ہے۔ وہ یہ ہے کہ :-

(اندرا گاندھی نے کہا) کہ "ابھی انہیں یہ پتہ نہیں ہے کہ وہ کہاں رہیں گی اور روزی کس طرح کمائیں گے"۔

(بحوالہ روزنامہ آفتاب ملتان ۷ر اپریل ۷۷ء)

● دس سال تک اتنے بڑے ملک کی وزیر اعظم رہنے والی خاتون کو اپنی "روزی" کی فکر ہے۔ یہ طمانچہ ہے ان لوگوں کے منہ پہ جو چھوٹے موٹے عہدوں تک پہنچ کر اپنی آئندہ سات پشتوں کے لیے "راشن" کا انتظام کر لیتے ہیں۔ ہمیں یاد ہے کہ انڈیا کے ایک وزیر مسٹر قدوائی کے انتقال پر یہاں کے ایک اخبار نے جو انڈیا کے معاملہ میں اکثر بہت زیادہ الرجک رہتا ہے۔ لکھا تھا کہ "کاش ہمیں ایسے وزیر نصیب ہوتے" مولانا ابوالکلام مرحوم مرکزی وزیر تھے۔ لیکن دنیا سے رخصت ہوئے تو ذاتی استعمال کی گاڑی کمپنی والے واپس لے گئے کیونکہ ابھی کچھ قسطیں باقی تھیں ! اور ابھی ایسی مثالیں موجود ہیں لیکن انڈیا کے ساتھ آزاد ہونے والی نظریاتی مملکت پاکستان کا جو معاملہ ہے اس کا بیان کرنا بھی ہمارے لئے تکلیف دہ ہے۔ کاش کہ کوئی سبق حاصل کرے ؟

آیت کریمہ

۱۸ر اپریل ۱۹۷۷ء
بعد نماز مغرب

جس کے بعد حضرت مولانا قاضی محمد زاہد الحسینی مدظلہم وعظ فرمائیں گے

جیل سے

مرشد الانور مدظلہم نے ہدایت فرمائی ہے کہ بکثرت شامل ہو کر ملکی حالات کی اصلاح کے لیے خصوصی دعا کریں۔ (ادارہ)

مولانا عبید اللہ انور پبلشر نے پرنٹر خواجہ شوکت علی پریمیر پرنٹرز میں چھپوا کر شیرانوالہ گیٹ لاہور سے شائع کیا۔

فون نمبر ۶۷۵۴۵

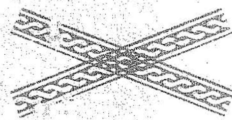
ہفت روزہ خدام الدین لاہور

رجسٹرڈ ایل نمبر ۶ ۷۳

منظور شدہ ۱- لاہور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری G ۱۶۳۲۱ مورخہ ۳ مئی ۱۹۵۶ء (۲) پشاور ریجن بذریعہ چٹھی نمبری T.B.C-۲۳۷-۲۴۸۱ مورخہ ۷ ستمبر ۱۹۵۶ء
محکمہ تعلیم ۳- کوئٹہ ریجن بذریعہ چٹھی نمبری ۹/۳۹/۲۰۷۶۶-DDA ۹ مورخہ ۲۲ اگست ۱۹۶۴ء (۴) راولپنڈی ریجن بذریعہ میمو G.M.۹/۴۰-۱۵۳۱۰ مورخہ ۷ مارچ ۶۷ء



دھواں ہی دھواں



خون ہی خون

۹ اپریل ۷۷ء لاہور کی تاریخ کا المناک ترین دن جب جعلی اسمبلی کے خلاف مظاہرہ کرنے والے نہتے عوام، خواتین، علماء، مزدوروں اور طلبہ پر گولیوں کی بارش برسی اور لاہور خون میں نہا گیا۔

ایک محتاط اندازے کے مطابق ڈیڑھ درجن سے زائد مظاہرین شہید ہوئے اور دو سو سے زائد زخمی ہوئے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔

اور اس طرح خون اور دھوئیں کا کھیل کھیلنے کے بعد سنگینوں کے سائے میں نام نہاد پنجاب اسمبلی کے ارکان نے حلف اٹھایا۔

ہم قومی آزادی کے تحفظ اور ہٹلرازم کے خاتمہ کے لئے جان کی بازی لگانے والے شہداء کو سلام عقیدت پیش کرتے ہیں اور ہٹلر اور مسولینی کے جانشینوں پر واضح کر دینا چاہتے ہیں کہ صبح آزادی طلوع ہونے کو ہے اور تمہارا کوئی جبر اب ظلم کے اندھیروں کو تحفظ نہیں دے سکتا۔ (ادارہ)